راہ رو
اور
کارواں

مرتبہ
حفیظ قتیل

راہ رو اور کارواں

یعنی ادارۂ ادبیاتِ اردو حیدرآباد (دکن) نے جن ادیبوں اور
شاعروں کی نظم و نثر گذشتہ ربع صدی میں شائع کی ہے ان کا مختصر تعارف

مرتبہ

عبدالحفیظ قتیل ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی

استاد اردو نظام کالج
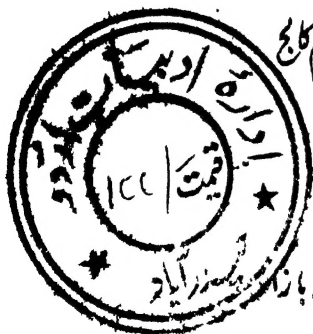
مطبوعہ

اعجاز پرنٹنگ مشین پریس چھتہ بازار حیدرآباد

حیدرآباد دکن

ب

۲۷) عبدالسلام صاحب (ڈاکٹر)	۴۱) محمد علی خاں صاحب
۲۸) عبدالقادر سروری صاحب	۴۲) محمد علی خاں میکش مرحوم (صاحبزادہ)
۲۹) عبدالقیوم خاں باقی مرحوم	۴۳) محمد مظہر صاحب
۳۰) عبدالمجید صدیقی صاحب	۴۴) محمودہ صدیقی صاحبہ
۳۱) عزیز احمد صاحب	۴۵) محی الدین قادری زور (ڈاکٹر)
۳۲) عزیز یار جنگ مرحوم	۴۶) مخدوم محی الدین صاحب
۳۳) عصمت اللہ بیگ مرحوم	۴۷) مراد علی طالع صاحب
۳۴) عظیم النساء بیگم صاحبہ	۴۸) معین الدین قریشی مرحوم
۳۵) علی اختر صاحب	۴۹) مہندر راج سکینہ صاحب (ڈاکٹر)
۳۶) علی بن حبیب جعفری صاحب	۵۰) موید الدین حسن (ابوظفر)
۳۷) علی منظور صاحب	۵۱) میر حسن صاحب
۳۸) فیض محمد صدیقی صاحب	۵۲) نصیر الدین ہاشمی صاحب
۳۹) کلیم اللہ حسینی صاحب (سیلا)	۵۳) وزیر حسن صاحب
۴۰) لطیف النساء بیگم صاحبہ	۵۴) ہارون خاں شیروانی صاحب

دکن دیس کی مٹی ہی میں کچھ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہاں کے بسنے والے ہر زمانے میں اپنی انفرادیت قایم رکھنے اور منوانے کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ ان کی یہی اُمنگ تھی جس نے تاریخ دکن کو عظمتوں کا دفینہ بنا دیا ہے۔ کتنی جگمگاتی ہوی تہذیبوں نے یہاں جنم لیا، کتنے مذاہب کا یہاں بول بالا ہوا۔ کتنی زبانیں اس ملک میں سرمایہ دار ہوئیں، کتنے علوم کے سوتے اس زمین سے پھوٹے۔ اور جو چیز باہر سے آئی اور جس خطہ سے بھی آئی اس نے یہاں کی آب و ہوا کھا کر ایسا رنگ روپ نکالا کہ بس دیکھتے ہی رہیے۔ اردو زبان ہی کو دیکھئے کہاں جنم لیتی ہے کہاں پروان چڑھتی ہے۔ سلطنت مغلیہ کے اس سرے سے اس سرے تک فارسی کا سکہ چل رہا تھا مگر گلبرگہ، بیجاپور اور گولکنڈہ میں راج محلوں سے جھونپڑوں تک اردو ہی اردو کی گرم بازاری تھی۔ فرنگی راج میں ہندوستان کے چپہ چپہ میں انگریزی کا طوطی بول رہا تھا تو یہاں اردو کا قلم چل رہا تھا۔ ماہران تعلیم

سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یورپ کے علوم و فنون کسی دیسی زبان میں
بھی پڑھائے جا سکتے ہیں۔ لیکن حیدرآباد میں اردو ہی کے اینٹ پتھر
سے جامعہ عثمانیہ کی بنیاد چنی گئی۔ یہاں شعر و سخن کا غلغلہ پہلے ہی سے تھا
ایمان، قیس، فیض، نمیر، عصر، مائل، توفیق اور کیفی جیسے
قادر الکلام اساتذہ محمد قلی، وجہی اور ولی کی کمائی میں برابر اضافہ
کرتے چلے آرہے تھے۔ جامعہ عثمانیہ کی نیو پڑی تو اردو کے دامن میں
علوم و فنون کے چشمے بھی اُبلنے لگے۔ اس ماحول اور اس تعلیم کے اثر سے
نئی پود میں خامہ فرسائی کا مذاق عام ہوگیا۔ بعضے تو جامعی زندگی ہی
میں ایک سے زیادہ کتابوں کے مصنف اور مولف بن جاتے اور
یہی سودا لے کر جامعہ سے نکلتے۔ لکھتے جاتے اور سنبھال سنبھال کر
رکھتے جاتے۔ دل میں اُمنگ تھی، قلم میں طاقت تھی مگر جیبیں خالی
تھیں۔ کوئی ناشر کوئی ادارہ ایسا نہ تھا جو ان کی تخلیقات کو منظر
پر لاتا اور ان کے حوصلے بڑھاتا۔ یہ صورت حال تھی جب ڈاکٹر زور صاحب
یورپ سے لوٹے۔ انھوں نے اپنے وطن کے شاعروں اور ادیبوں کی
اس مجبوری کو شدت سے محسوس کیا اور بالآخر جنوری ۱۹۳۱ء میں اپنے
چند حوصلہ مند احباب پروفیسر عبدالقادر سروری صاحب، پروفیسر
عبدالمجید صدیقی صاحب، نصیرالدین ہاشمی صاحب اور پروفیسر عبدالقادر
مرحوم کے ہمہ جہتی تعاون سے ادارۂ ادبیات اردو کی داغ بیل ڈالی۔ وقت
کتنا گریزپا ہوتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے اس ادارے کو قائم ہوئے ایک ربع صدی

گذر گئی۔ جن نوجوانوں نے اس ادارے کی بنیاد رکھی تھی ان پر بڑھاپا آرہا ہے
ان پر بڑھاپا آرہا ہے اور ادارہ پر جوانی آرہی ہے۔ اس عرصے میں ادارے نے
حیدرآباد میں اردو زبان و ادب کی ترقی کے لئے جو کچھ کیا ہے اس
کا ایک دھندلا سا خاکہ اس تذکرے کے مطالعے سے ذہن میں آسکتا ہے۔
ان صفحات میں کتنے ہی ایسے ادیبوں کا تذکرہ ہے جن کی قلمی کاوش
پہلی مرتبہ ادارہ کے ذریعہ منظر عام پر آئی اور ادبی دنیا ان کو جاننے لگی۔
کتنے ہی ایسے نوجوان ادیب ہیں جن کی صلاحیتوں کا اندازہ کرکے
ڈاکٹر صاحب ان کے سر ہوگئے اور کچھ نہ کچھ لکھوا کر ہی چھوڑا۔ کتنے
ہی ایسے بڈھے ادیب ہیں جنھوں نے غم روزگار کے پیچھے غم جاناں کو
بھلا رکھا تھا مگر ڈاکٹر صاحب کے آنکس نے ان کے قلم کو بھی چلنے پر
مجبور کردیا۔ رشید قریشی نے میٹرک کامیاب کرکے انٹرمیڈیٹ میں شرکت
لی ہے۔ نام خدا ابھی ابھی قلم سنبھالا ہے اور افسانے لکھنے لگے ہیں۔ ڈاکٹر
صاحب نے ان کے اسلوب کے البیلے پن کو دیکھ لیا اور کہدیا کہ پندرہ
افسانے لکھو تو تمہارے افسانوں کا مجموعہ ادارہ سے شائع کردونگا۔
اتنا سننا تھا کہ ان کے حوصلے چڑھ گئے اور وہ کلاس روم میں بھی بیٹھے
افسانے لکھنے لگے۔ ابھی افسانوں کی مجوزہ تعداد بھی پوری نہیں ہوئی
تھی کہ کتابت شروع ہوگئی۔ جب ڈاکٹر صاحب نے دیکھا کہ تخلیق
کی رفتار کتابت کی رفتار کا ساتھ نہیں دے رہی ہے تو مصنف کو بلا کر
اپنے گھر ہی پر رکھ لیا۔ اب کام اس انداز سے ہونے لگا کہ مصنف کاتب

سے ایک افسانہ آگیا ہے اور لکھائی ہو رہی ہے۔ وزیر حسن صاحب کی کتاب "چاند بی بی سلطان" شائع ہوئی اور زبان و اسلوب کی موہنی کی وجہ سے بہت مقبول ہوئی۔ کسی صحبت میں ڈاکٹر صاحب نے ان کی تصنیف کی تعریف کی تو انھوں نے جیسے ادیبوں کی عادت ہوتی ہے ترنگ میں آکر فرمایا کہ بہت سے مضامین لکھے پڑے ہیں دیکھئے ان کی اشاعت کا وقت کب آتا ہے۔ یہ سنتے ہی ڈاکٹر صاحب نے اشاعت کا ذمہ لے لیا۔ مگر بے چارے کے یہاں اتنے مضامین ہی کہاں تھے جن سے کتاب بن سکتی۔ مگر ڈاکٹر صاحب ٹلنے والے آدمی نہیں تھے۔ اب وہ ہیں کہ آج کل کئے جا رہے ہیں اور یہ ہیں کہ آج بھی ان کے سر پر سوار ہیں اور کل بھی ان کے سر پر سوار ہیں۔ دیکھا کہ گلو خلاصی ممکن نہیں تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کچھ پرانے مسودے نکالے۔ کچھ ان کو نیا بنایا کچھ نئے مضامین لکھے اور یہ سرمایہ ڈاکٹر صاحب کے سپرد کر کے جان چھڑائی۔ ان کے یہی مضامین "رادھا اور رنگ محل" کے نام سے ادارہ سے شائع ہوئے

اب خود اس تذکرہ کی ترتیب کا حال سنئے۔ اس ادارہ کی سلور جوبلی کے سلسلہ میں جو پہلی کمیٹی بنائی گئی تھی اس میں مجھے بھی یاد فرمایا گیا تھا۔ کمیٹی میں بہت سی باتیں ہوئیں اور بہت سے امور طے پائے۔ میں بیٹھا یہ پوری کارروائی سنتا رہا۔ بیٹھے بیٹھے خیال ہوا کہ مجھے بھی کچھ نہ کچھ کہنا چاہیئے اس لئے کہ کمیٹی کے معنی ہی باتیں کرنے کے ہیں، خواہ کچھ کام ہو یا نہ ہو۔ کمیٹی اور کام میں عموماً کچھ

زیادہ تعلق نہیں ہوتا۔ اس لئے میں نے یوں ہی ایک تحریک کردی کہ ادارے کی سلور جوبلی کے موقع پر اب تک اس ادارے کی طرف سے جن ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات شائع ہوئی ہیں ان کا ایک تذکرہ مرتب کرکے شائع کرنا چاہیئے۔ اس سے ادارے کے کام پر روشنی پڑے گی۔ حسب توقع اس تحریک پر بھی گفتگو شروع ہوئی۔ کسی نے تائید کی کسی نے مخالفت کی۔ مگر یہ بات ڈاکٹر صاحب کے دل کو لگی اور انھوں نے دوٹوک تصفیہ کردیا کہ ایسا ایک تذکرہ ضرور مرتب ہونا چاہیئے۔ اور یہ کام حفیظ قتیل صاحب ہی کے سپرد کیا جائے۔ میں سناٹے میں آگیا کہ بیٹھے بیٹھائے یہ کیا مصیبت مول لی۔ اب خود میں نے دبی زبان سے اپنی ہی تحریک کی مخالفت شروع کی مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو میرے کام کرنے پر اعتماد نہیں تھا بلکہ اپنے کام لینے پر اعتماد تھا اس لئے وہ اپنے فیصلے پر اڑے رہے۔ چنانچہ کمیٹی کے تیسرے ہی دن سے تقاضا شروع ہوا۔ ادارے کا ملازم صبح آرہا ہے۔ شام آرہا ہے۔ کالج پر آرہا ہے۔ گھر پر آرہا ہے۔ ہدایت آرہی ہے۔ یاددہانی ہو رہی ہے۔ بلوایا جارہا ہے۔ اور میں ہوں کہ پینترے بدل بدل کر وار خالی کرتا جارہا ہوں۔ دم دیتا جارہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے مسودہ لے کر خود ہی ٹائپ کرد کے سبھوں کے یہاں بھیجدیا تھا۔ ان خطوط کے جوابات بھی آنے لگے یہاں تک کہ جوبلی کو دو ہفتے رہ گئے۔ پہلے تو ڈاکٹر صاحب ناخوش ہوئے۔

ناخوشی خفگی سے تبدیل ہوی اور خفگی برہمی تک آپہنچی۔ دیکھا کہ خیر نہیں ہے تو ناچار لکھنے بیٹھا۔ اور اب جو لکھنے بیٹھا تو میرے یہاں صرف چونتیس اشخاص کا مواد تھا اور وہ بھی ایسا کہ جو ہونا چاہیئے وہ نہیں ہے اور جو نہیں ہونا چاہیئے وہ سب کچھ ہے۔ فہرست کے بقیہ بیس اشخاص میں سے بعض حیدرآباد کے باہر تھے۔ بعض پاکستان چلے گئے تھے۔ بعض گذر گئے تھے۔ اور بعضوں نے خطوط کے جواب نہیں دیئے تھے۔ جواب نہ دینے والوں میں سے اکثروں کے گھروں پر پھر پھر کر ضروری معلومات فراہم کئے۔ سکینہ بیگم صاحبہ اور لطیف النسا بیگم صاحبہ کے حالات کے لئے تذکرۂ خواتین دکن، اور خواتین عہد عثمانی، مرتبہ نصیر الدین ہاشمی صاحب سے استفادہ کیا۔ بقیہ حضرات کے بارے میں بہت کچھ ڈاکٹر صاحب سے حافظ استفادہ کیا۔ کچھ پروفیسر سید محمد صاحب نے حالات فراہم کئے اور کچھ ان حضرات کے قریبی عزیزوں سے مل کر مواد لیا۔ استاد محترم پروفیسر سروری صاحب نے اسلوب و ترتیب کے بارے میں قیمتی مشورے مرحمت فرمائے۔ مشفقی پروفیسر سید محمد صاحب نے اس تذکرہ کی اس آخری شکل تک ہر مرحلہ پر میری اعانت کی۔ میں ان سب کرم فرماؤں کا ممنون ہوں۔

چونکہ اس تذکرہ میں جگہ پانے والے سب ادیب اور شاعر ایک ہی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں اور بجز ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کے سبھی حیدرآباد کے رہنے والے ہیں یا حیدرآباد میں ایک عمر گذار کر باہر

گئے ہیں اس لئے میں نے حروف تہجی کی ترتیب کے پرانے طریقے کو اختیار کیا ہے تاکہ آگے پیچھے اور چھوٹے بڑے کا امتیاز باقی نہ رہے اس تذکرہ کا نام "راہرو اور کارواں" ڈاکٹر زور صاحب ہی نے تجویز فرمایا ہے اس لئے کہ یہ ادارہ اہل قلم کا ایک کارواں ہی تو ہے۔ کچھ لوگ ابتدا ہی سے اس کارواں کے ساتھ ہیں۔ کچھ درمیان میں آکر ملتے گئے۔ کچھ درمیان سے چھوٹتے گئے۔ اسی طرح نئے نئے لکھنے والے آتے رہیں گے۔ ملتے رہیں گے۔ چھوٹتے رہیں گے۔ راہ رو بدلتے رہیں گے مگر یہ کارواں چلتا رہے گا۔ بڑھتا رہے گا۔

سیّد ابوالفضل صاحب ایم - اے

سید ابوالفضل صاحب ۲۶ر جنوری سنہ ۱۹۱۴ء کو تعلقہ یلبرگہ ضلع رائچور (حیدرآباد دکن) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید عبدالقادر مرحوم نے ابتداء میں یلبرگہ میں وکالت کی کچھ عرصہ بعد کپیل میں وکالت کرنے لگے۔ لیکن بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت کے لحاظ سے دیہات کی جائداد اور املاک کو چھوڑ کر پورے خاندان کے ساتھ شہر حیدرآباد میں آئے اور یہیں بیرسٹر اکبر علیخان کے شریک کی حیثیت سے وکالت کرنے لگے ان کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ بڑے فرزند مولوی ابوالقاسم صاحب اب بیرسٹر اکبر علی خاں کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ دوسرے فرزند مولوی ابوالحسن صاحب سررشتہ آبکاری میں ملازم تھے۔ پولیس ایکشن کے بعد وظیفہ پر علیحدہ ہو گئے۔ تیسرے سید ابوالفضل صاحب ایم۔ اے ہیں چوتھے فرزند سید ابوالعارف صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ یہ بھی حیدرآباد میں ڈپٹی کلکٹر تھے تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے۔

پانچویں فرزند امم بی - بی ایس (عثمانیہ) ایم - آر - سی پی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان گئے ہوئے ہیں -

ابوالفضل صاحب ایک ممتاز طالب علم رہے ہیں - تحتانی جماعتوں سے تکمیل تعلیم تک مختلف مضامین میں اول آتے رہے اور انعامات و وظائف حاصل کرتے رہے - ایف - اے میں اردو اور عربی میں اول اور تاریخ ہند میں دوم آئے بی - اے میں اردو، عربی اور دینیات لازم میں اول رہے - ایم - اے میں اعلیٰ نشانات سے کامیابی حاصل کی - ان کا ابتدائی تقرر ۱۹۳۸ء میں سٹی کالج میں محکمۂ تعلیمات کی ایک جائداد مواجبی نوّے روپے پر ہوا - ساتھ ہی کالج میں جز وقتی کام بھی کرتے رہے - چادر گھاٹ کالج قائم ہوا تو عربی کی جونیر لیکچراری پر ان کا تقرر ہوا - چادر گھاٹ کالج سے دارالعلوم کالج پر تبادلہ ہوا - ۱۹۴۸ء میں جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ عربی میں لئے گئے جہاں اب تک بحیثیت لیکچرار کارگذار ہیں — ۱۹۵۳ء میں یونی ورسٹی کی سینٹ کی رکنیت کے لئے منتخب ہوئے - ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۵ء میں یونی ورسٹی میں فیکلٹی آف آرٹس کی رکنیت پر ان کا انتخاب عمل میں آیا -

فضل صاحب کو طالب علمی ہی کے زمانے سے شعر و ادب سے بڑی دلچسپی رہی ہے - ان کا ابتدائی کام انگریزی سے اردو تراجم کا تھا -

یہ جامعہ کے ان تعلیم یافتوں سے ہیں جن کی ادبی مصروفیات کا مرکز پیدا کرنے کے لئے ادارہ کا قیام عمل میں آیا تھا انکا علمی ذوق مضامین کے ترجموں سے شروع ہوا۔ ان کے مختلف مضامین اور افسانے مکتبہ۔ شہاب، سب رس، مجلہ عثمانیہ (حیدرآباد) فطرت (بہار) ہمایون، ادبی دنیا (لاہور) وغیرہ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ "تاریخ ادبیات عربی" کے نام سے عربی زبان وادب کی ایک مختصر مگر جامع اور مستند تاریخ مرتب کی جو ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے ۱۹۵۴ء شائع ہوگئی ہے۔ انھوں نے "قرون وسطیٰ میں عربی علوم و فنون اور ثقافت کے خاکے" کے عنوان سے ایک تحقیقی کام مکمل کر لیا ہے جو قریب میں شائع ہو جائے گا۔ ایم۔ اے کے بعد ریسرچ کی ڈگری کے لئے "ابو فراس اس کا زمانہ، زندگی اور کلام" کے موضوع پر جو تحقیقی کام کیا تھا جامعہ عثمانیہ کے ریسرچ بورڈ نے اس کو منظور کر لیا۔ لیکن مقالہ کی ضخامت کے پیش نظر مقالہ نگار نے اس کو شائع کرنے کی جرأت نہیں کی۔ اب دو سال سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے "ابن حجر العقسلانی کی شاعری" پر اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔

ابوالفضل صاحب جامعہ کے ان تعلیم یافتہ نوجوانوں

میں سے ہیں جن کی ادبی مصروفیات کے لیے جیسا کہ اوپر کہا
گیا ادارۂ ادبیات اردو کا قیام عمل میں آیا تھا۔ چنانچہ
اس ادارہ کے قایم ہوتے ہی ابو الفضل صاحب، میر حسن صاحب
اشفاق حسین صاحب، مخدوم محی الدین صاحب، میکش صاحب
حمید الدین شاہد صاحب، اور اکبر الدین صدیقی صاحب
جیسے متعدد نوجوان اس کے گرد جمع ہو گئے۔

محمد اکبرالدین صدیقی صاحب ایم اے

اکبرالدین صدیقی صاحب کے خاندان میں چھے پشت
سے پان گاؤں کی قضائت چلی آرہی ہے۔ ان کے والد اکرام الدین
صدیقی مرحوم نے مدرسہ نظامیہ میں تعلیم پائی۔ وہ مولانا انوار اللہ خاں
فضیلت جنگ کے منظور نظر شاگرد تھے۔ عدالت میں سررشتہ دار
تھے۔ ملازمت کے سلسلہ میں حیدرآباد کے مختلف اضلاع پر ان
کے تبادلے ہوتے رہے۔ اکبرالدین صدیقی صاحب قصبہ بھینسہ
ضلع ناندیڑ میں یکم دے ۱۳۲۳ ف صبح سویرے پیدا ہوئے
ان کی ابتدائی تعلیم مدرسہ وسطانیہ قندھار میں ہوئی۔ اس مدرسہ
میں ہر مہینہ کی چودھویں شب کو ایک ادبی جلسہ ہوتا تھا۔
صدیقی صاحب کے والد شاعر تھے اور ان ادبی جلسوں میں ضرور
شرکت کرتے اور اپنی نظمیں اپنے فرزند سے پڑھواتے۔ یہیں
سے ان کے ادبی مذاق کی تربیت شروع ہوئی۔ اپنے علمی اور
ادبی ذوق کی تشفی کے لئے وہ رسالہ "دلگداز" کے خریدار بن گئے

اسی زمانے میں وہ بلدہ آئے اور خاندانی تعلقات کی وجہ سے
ڈاکٹر زور صاحب کے یہاں فروکش ہوے۔ ڈاکٹر صاحب
ان دنوں ایم اے کی تیاری کر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی
علمی زندگی نے ان پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ صدیقی صاحب نے بھینسہ
کے مڈل اسکول سے ۱۳۳۷ ف ۱۹۲۸ء میں اردو مڈل پاس
کیا۔ اس کے بعد میٹرک کے شوق میں انگریزی پڑھنا شروع کیا۔
ابھی عنفوان شباب تھا کہ ۱۳۳۹ ف میں ان کی شادی
کر دی گئی۔ اس ذمہ داری کو سر لئے ایک سال بھی نہیں گزرا
تھا کہ ۱۳۴۰ ف میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اُٹھ گیا
انھوں نے پری میٹرک میں شرکت کر لی تھی۔ لیکن والد کی وفات
نے تلاش معاش پر مجبور کر دیا تو محکمہ کروڑگیری میں اہلکاری
کی خدمت قبول کر لی۔ لیکن پھر اپنے تایا زاد بھائی مسٹر
محمد افضل الدین فاروقی بارایٹ لا کے مشورہ پر ملازمت ترک
کر کے بلدہ میں جماعت ہنم میں شرکت کر لی۔ حالات کی ناسازگاری
نے انھیں بہت شکستہ خاطر کر دیا تھا۔ لیکن یہ شکستگی ان کے
ادبی ذوق کے لئے ناسازگار ثابت نہ ہوی۔ چنانچہ اسی زمانے
میں وہ افسانے لکھنے لگے جن میں سے اکثر بمبئی کے ہفتہ وار
اخباروں میں شائع ہوتے رہے۔ سلسلۂ تعلیم جاری رہا ۱۳۴۲ ف
میں میٹرک اور ۱۳۴۴ ف میں سٹی کالج سے انٹرمیڈیٹ کامیاب

کیمسٹری کالج میں کالج کے میگزین "المومن" کی ادارت بھی کی ۔
۱۳۴۵ف میں جامعہ عثمانیہ میں بی ۔ اے میں شریک ہوئے
مرثیہ گوئی پر تنقیدی مضامین لکھے جو شاہکار (لاہور) اور
"مجلہ عثمانیہ" میں شائع ہوئے ان کے مضامین دیکھ کر پروفیسر
تاجور نجیب آبادی نے خط کے ذریعے حوصلہ افزائی کی۔ اسی
زمانہ میں ادارہ ادبیات اردو کا قیام عمل میں آ چکا تھا اور
اکثر نوجوان ڈاکٹر زور صاحب کی رہنمائی میں ادبی کاموں
میں حصہ لینے لگے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے "مرقع سخن" کے نام سے
شعرائے دکن کا تذکرہ کئی جلدوں میں شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا
اور وہ اکثر طلبا سے اسی تذکرہ کے لئے مضامین لکھوا رہے تھے ۔
صدیقی صاحب نے بھی اس تذکرہ کے لئے تین شاعروں کے حالات
مرتب کئے ۔ ڈاکٹر صاحب ہی کے مشورہ و معاونت سے اپنے خاندان
کے بزرگوں کے حالات جمع کر کے "مشاہیر قندہار" کے نام سے ۱۹۳۸ء
میں شائع کئے ۔ ۱۳۴۶ف میں بی اے پاس کر کے سٹی کالج میں معلمی کی
خدمت اختیار کر لی ۔ ۱۳۵۲ف میں اردو سے ایم اے پاس کیا ۔
ایم اے میں "پریم چند اور ان کی افسانہ نگاری" پر مقالہ لکھا جو انجمن
طیلسانین عثمانیہ کے آرگن مجلہ طیلسانین میں شائع ہوا ۔ ۱۳۵۵ف
میں مجلہ طیلسانین کی ادارت کے فرائض ان کے سپرد کئے گئے ۔ اور
یہ رسالہ ان کی ادارت میں چار سال تک شائع ہوتا رہا ۔ ۱۳۵۶ف

میں وہ انجمن طیلسانین کے معتمد چنے گئے اور اب تک وہی اس انجمن کی معتمدی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

صدیقی صاحب کے متعدد علمی اور ادبی مضامین "سب رس" "شہاب" "ہندوستانی ادب" "سفینۂ ادب اور داستان گو" میں شائع ہوتے رہے۔ ادھر کچھ دنوں سے انھوں نے اسکولوں کے لئے اردو کی درسی کتابیں مرتب کرنا شروع کی ہیں۔ حال ہی میں دکھنی پرکاشن سمیتی کے لئے صدیقی صاحب نے قطب شاہی شاعر غواصی کی کتاب "سیف الملوک" کو اردو سے ہندی میں منتقل کیا ہے جو شائع ہو چکی ہے

اب برہان الدین جانم کے نثری کارناموں پر کام کر رہے ہیں ادارہ ادبیات اردو کے کتب خانہ کی معتمدی کا فرض انجام دے رہے ہیں اور کتابوں کی باضابطہ فہرست کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر ایشور ناتھ ٹوپا پی ایچ ڈی

ڈاکٹر ایشور ناتھ ٹوپا ۱۳ جنوری ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ جامعۂ دہلی میں تعلیم پائی۔ فرائی برگ یونی ورسٹی (جرمنی) سے ڈی۔ فل کی ڈگری۔ ۱۹۳۱ء میں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے شعبۂ تاریخ میں ریڈر کی حیثیت سے تقرر ہوا ۱۹۴۵ء میں انھیں پروفیسری کا گریڈ ملا۔ ۱۹۴۷ء میں سکندرآباد میں محبوب کالج قایم ہوا تو ڈاکٹر ٹوپا اس کے پرنسپل بنائے گئے۔ ۱۹۴۹ء میں دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی نظامت پر تبادلہ ہوا۔ ۱۹۵۰ء میں دارالترجمہ کی نظامت کے ساتھ ساتھ جامعہ عثمانیہ کی رجسٹراری کے فرائض بھی انھیں کے سپرد کیے گئے۔

ڈاکٹر صاحب ایک ذی علم اور علم دوست آدمی ہیں

ان کی متعدد تالیفات وتصنیفات اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوی ہیں۔ ادارۂ ادبیات اردو نے ۱۹۴۴ء میں ان کی کتاب "ہندوستانی تمدن" شائع کی اور ۱۹۴۵ء میں ان کی ایک اور کتاب "ہندوستانی قومیت کا مسئلہ" ادارہ کی طرف سے شائع ہوئی۔
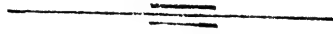
بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیرؔ

بشیر النساء بیگم ۱۹۱۵ء میں شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد مولوی عبدالرحمٰن صاحب مددگار محکمۂ سیاسیات ایک صاحب ذوق سخن فہم اور سخن سنج بزرگ تھے۔ ان کی والدہ شمس النساء بیگم صاحبہ بھی ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں انھیں فن خطاطی میں کمال حاصل تھا۔ اور "شمشاد رقم" کہلاتی تھیں۔ اس علمی اور ادبی ماحول میں بشیر النساء بیگم صاحبہ کا نشو و نما ہوا۔ شادی ہوئی تو سسرال میں بھی علمی اور ادبی فضا ملی۔ ان کے خسر مولوی اکرام علی صاحب صفوی بڑے ذی علم آدمی تھے۔ ان کی جوہر شناس نظروں نے بہو کی شعری صلاحیتوں کا اندازہ کرلیا اور قدردانی اور ہمت افزائی سے موصوفہ کی شاعری کو چمکایا۔ ان کے شوہر مرزا ضامن علی غازی بھی ایک صاحب ذوق انسان ہیں۔ ان کی قدردانی نے بھی بشیر النساء بیگم صاحبہ کی حوصلہ افزائی کی۔ ادارۂ ادبیات اردو سے دونوں کا دیرینہ تعلق ہے اور بشیرہ ادارہ کے شعبۂ نسوان کی کئی سال تک شریک معتمد رہی ہیں

موصوفہ یوں تو بچپن ہی سے شعر کہتی رہی ہیں۔ لیکن ۱۹۴۷ء سے ان کی شعر گوئی کا باضابطہ طور پر آغاز ہوا۔ مختلف ادبی رسائل میں ان کی نظمیں شائع ہونے لگیں۔ ان کی بعض طویل نظمیں "اردو کی لاج" "حضرت بالیمین" "جانباز ملت" "روداد دلخراش" اور "ورق غم" وغیرہ کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے کلام کا پہلا مجموعہ "آبگینۂ شعر" ۱۹۴۸ء میں ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوا۔ ان کو تقریباً تمام اصناف سخن پر قدرت حاصل ہے۔

بشیر النساء بیگم صاحبہ انشاء پرداز بھی ہیں کئی مضامین کتابوں کے مقدمے، اور ریڈیو کے لئے تقریریں لکھتی رہی ہیں۔ اور ان کے مضامین کا ایک مجموعہ مرتب ہو چکا ہے۔ بشیرنہ صرف ادارے کے شعبہ نسواں کے بانیوں میں سے ہیں بلکہ وہ اور ان کے شوہر ادارے کے لئے کام میں ہمہ جہتی مدد کرتے رہتے ہیں اس لئے ان دونوں کو ادارے نے اپنا رفیق اعلیٰ منتخب کیا ہے۔

جہاں بانو بیگم صاحبہ ایم۔اے

جہاں بانو بیگم صاحبہ لنگسگور ضلع رائچور میں پیدا ہوئیں
ان کے والد سید ابو رضا مرحوم ناظم عدالت تھے انٹر میڈیٹ
کا امتحان دینے کے بعد سید مجتبیٰ حسین صاحب سے شادی ہوگئی
جو اب سینر نائب ناظم تعلیمات حیدرآباد (دکن) ہیں۔
نتیجہ شادی کے بعد نکلا۔ اور ایک سال بعد بی اے کیا۔ بی ایڈ
کی تعلیم کے لئے شمالی یورپ (لیبڈز) گئیں۔ وہاں چھ سات
مہینے تعلیم حاصل کی لیکن ناموافق آب و ہوا اور آئے دن کی
بیماریوں سے تنگ آکر بغیر ڈگری لئے واپس آگئیں
موصوفہ کا کیسر ہائی اسکول سکندرآباد پر تقرر ہوا
جہاں تقریباً تین سال تک اردو پڑھاتی رہیں۔ اس کے بعد
انھیں گوشہ محل مڈل اسکول کی صدارت دی گئی۔ یہاں
دو سال تک صدر کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد محبوبیہ گرلز
اسکول پر تقرر ہوا۔ اس اسکول میں بھی اردو اور فارسی پڑھاتی

رہیں۔ اسی اثناء میں زنانہ کالج (عثمانیہ) میں ایم۔ اے کی جماعت قایم کی گئی۔ تو جہاں بانو صاحبہ نے ایم۔ اے میں شرکت کر لی۔ دن بھر بی اے لی طالبات کو اردو، ہندی اور اخلاقیات کی تعلیم دتیں اور شام میں خود ایم۔ اے کی تعلیم حاصل کرتیں ایم۔ اے کی ڈگری لینے کے بعد زنانہ کالج ہی میں اردو کی لکچراری پر تقرر ہوگیا۔ لڑکیوں میں اب جو شعر و ادب کا مذاق دکھائی دیتا ہے وہ جہاں بانو بیگم نقوی صاحبہ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

طالب علمی کے زمانہ سے موصوفہ کو لکھنے پڑھنے کا شوق ہے۔ تنقیدی مضامین، ادبی اصلاحی اور سماجی موضوعات پر مضامین، افسانے اور اسکیچ حیدرآباد اور حیدرآباد سے باہر کے بیشتر رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

۱) رفتار خیال۔ چند افسانوں کا مجموعہ ہے جو طبع زاد نہیں بلکہ ترجمے ہیں۔

۲) بر لبط ناہید خطوط کا مجموعہ ہے۔

۳) رموز خانہ داری۔

۴) فتراک۔ طبع زاد مضامین کا مجموعہ ہے۔

جہاں بانو بیگم صاحبہ ادارہ کے شعبۂ نسواں

کی رکن رہیں اور ان کی حسب ذیل دو کتابیں ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوئی اور تین سال تک جماعت نہم کے نصاب میں شامل رہیں۔

۱) محمد حسین آزاد۔ موصوفہ کا ایم۔ اے کا مقالہ ہے۔ ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا۔

۲) عرب اور عربستان۔ ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا۔
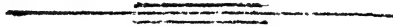
جلال الدین اشک مرحوم بی۔ اے۔ ایل ایل بی

جلال الدین اشک مرحوم نواب وحید جنگ کے دوسرے صاحبزادے اور صلاح الدین صاحب ریڈر فلسفہ جامعہ عثمانیہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۱۹۰۱ء میں شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے مدرسہ مفید الانام سے میٹرک پاس کر کے جامعہ عثمانیہ میں شریک ہوئے اور ۱۹۲۳ء میں انٹرمیڈیٹ ۱۹۲۵ء میں بی اے اور ۱۹۲۷ء میں ایل ایل بی کا امتحان کامیاب کیا۔

۱۹۳۲ء میں اپنی ماموں زاد بہن سے شادی کی۔

ابتداء میں ان کا تقرر محکمۂ کروڑگیری میں اسی کی جائداد پر ہوا اور ترقی کر کے مددگار مہتمم کروڑگیری ہو گئے تھے۔ پولس ایکشن کے بعد ۱۹۴۸ء میں پاکستان چلے گئے۔ اور وہیں ۱۹۵۱ء میں انتقال کر گئے۔ ان کی چھ لڑکیاں اور ایک لڑکا ۔ وحید الدین ارشد پاکستان ہی میں ہیں۔ اشک مرحوم مجلہ عثمانیہ

کے نائب مدیر اور مدیر رہ چکے تھے۔ عبدالقیوم خان باقی مرحوم معین الدین قریشی مرحوم اور روزیر حسن صاحب ان کے خاص احباب تھے۔ آشک اچھے شاعر اور اچھے ادیب تھے۔ ان کی صرف دو تصانیف ان کی زندگی میں شائع ہو سکیں۔

۱) شیطان کا انتقام :- یہ ایک طنز ہے جو افسانوی انداز میں لکھا گیا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کی تباہ کاریوں سے متاثر ہو کر انھوں نے یورپی اقوام کے شیطانی کرتوت پر طنز کیا ہے۔ یہ کتاب مکتبۂ ابراہیمیہ سے شائع ہوی ہے۔

۲) سالک گوہرین - یہ ایک منظوم ڈرامہ ہے جس میں یہ خیال پیش کیا گیا ہے کہ محبت کی قوت دنیا کی ہر قوت سے فتح یاب ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب ادارۂ ادبیات اردو سے شائع ہوی ہے

آشک مرحوم نے دو غیر مطبوعہ کتابیں بھی چھوڑی ہیں۔ ایک تو ان کے کلام کا مجموعہ ہے جس کو انھوں نے اپنی زندگی میں مرتب کیا تھا۔ دوسری کتاب "گرگٹوں کا شہر" ہے۔ شیطان کے انتقام کی طرح یہ بھی فسطائیت پر ایک طنز ہے جو افسانے کے انداز میں لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔

آشک مرحوم کے متعدد افسانے اور نظمیں مختلف رسالوں میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ مرقع سخن جلد سوم

"شعرائے عثمانیہ" میں ان کی چند نظمیں شائع ہوی ہیں۔ "ہمائے" مرتبہ اکبر وفا قانی و علی اشرف میں انکے کچھ حالات نہایت اور چھے نظمیں شائع ہوی ہیں وہ نہایت خوش پوش آدمی تھے اپنے حلقۂ احباب میں نہایت مقبول تھے۔

خواجہ حمید الدین شاہد صاحب ایم۔اے (عثمانیہ)

خواجہ حمید الدین شاہد صاحب خواجہ شجاع الدین صاحب کے
بڑے فرزند ۱۴ر اکتوبر ۱۹۱۹ء کو شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔
حیدرآباد (دکن) کی قدیم درسگاہ دارالعلوم سے امتحان میٹرک
بدرجہ اول پاس کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر زور صاحب نے انہیں اپنے گھر
میں بلالیا۔ جہاں یہ دس بارہ سال تک مقیم رہے۔ جامعہ عثمانیہ سے
ایم۔اے کی ڈگری لی۔ دو سال تک سنٹرل اسکول آف کامرس میں
لیکچرار اردو کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد سٹی کالج میں
جونیر لیکچرار اردو و ہندی کی جائداد پر تقرر عمل میں آیا۔ اس وقت چادرگھاٹ
کالج میں لیکچرار اردو کی خدمت پر مامور ہیں۔ اور گذشتہ دو سال
سے جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو میں جزوقتی لیکچرار کی حیثیت سے
بھی کام کر رہے ہیں۔ ان کی شادی لیڈی ڈاکٹر وحید النساء
ایم۔بی۔بی۔ایس (عثمانیہ) سے ہوئی جن سے اب دو لڑکے ہیں۔
ادارۂ ادبیات اردو کو پروان چڑھانے میں خواجہ حمید الدین

شاہد صاحب کی انتھک مساعی کو بڑا دخل ہے۔ انھوں نے مختلف حیثیتوں میں ادارہ کی خدمت انجام دی ہے۔ ۱۹۴۳ء سے ماہ نامہ سب رس ادارہ ادبیات اردو کی ادارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ دس سال تک ادارہ کے مہتمم رہے۔ ادارے کے کتابوں کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داریاں انھیں کے سر رہتی ہیں۔ ادارہ کے شعبہ اطفال کے شریک معتمد رہے۔ کل ہند اردو کانگریس کی مجلس انتظامی کے رکن منتخب ہوئے۔ اس وقت ادارہ کے شعبۂ امتحانات اردو و تعلیم بالغان کی معتمدی کا کام انجام دے رہے ہیں۔ شاہد صاحب کی ان کی خدمات کے پیش نظر ادارہ کی مجلس انتظامی نے ان کو رفیق ادارہ کا اعزاز عطا کیا ہے۔ ڈاکٹر زور صاحب کی عنایات کا انھوں نے اپنے خط میں ان الفاظ سے اعتراف کیا ہے۔ "ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور کی رہنمائی اور شفقت و عنایات نے میری علمی زندگی پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ علمی و ادبی کام کا سلیقہ ان ہی سے سیکھا ہے" شاہد صاحب ۱۹۵۴ء میں ایک سال کے لیے کونسل عثمانیہ یونیورسٹی کے رکن منتخب ہوئے۔

شاہد صاحب صاحب نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ جبل پور میں اردو کی سائنسی خدمات پر مقالہ پڑھا۔ آل انڈیا اردو کانفرنس بنگلور میں "جنوبی ہند کی اردو خدمت" پر مقالہ پڑھا

آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے ان کی متعدد تقریریں نشر ہوی ہیں سب رس، مجلہ عثمانیہ، شعور اور آج کل میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت امجد حیدرآبادی کے حالات زندگی اور خصوصیات کلام پر ایک بسیط مقالہ لکھا جو "مرقع سخن" جلد اول میں شائع ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ شاہد صاحب کی تصنفات و تالیفات حسب ذیل ہیں۔

۱) شمس الامراء کے سائنسی کارنامے۔ یہ کتاب ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوی ہے۔

۲) سرگذشت ادارہ۔ یہ ادارۂ ادبیات اردو کے آغاز و ارتقاء کی داستاں ہے جو تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۴۰ء میں ادارہ ہی طرف سے شائع ہوی۔

۳) ادارۂ ادبیات کے سنہ وار تذکرہ ۱۹۴۱ تا ۱۹۴۹ء

۴) اردو میں سائنسی ادب۔ یہ شاید صاحب کا تحقیقی مقالہ ہے جو قریب میں شائع ہوگا۔

حمید الدین صاحب آج کل پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے "اردو مثنوی" پر کام کر رہے ہیں۔

رابعہ بیگم صاحبہ (مسز انوار اللہ)

مسز انوار اللہ صاحبہ بروز چہارشنبہ ۱۳۰۹ ف ہنمکنڈہ (ورنگل) میں حضرت عبدالنبی شاہ صاحب کی درگاہ میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد احمد مدنی مرحوم نے ان کا نام رابعہ رکھا اور پیار سے رابعہ بصری پکارتے تھے۔ مدنی صاحب مرحوم کی پانچ لڑکیاں اور تین لڑکے ہوئے۔ رابعہ بیگم صاحبہ چوتھی لڑکی ہیں۔ ان کے والد اور والدہ رقیہ بیگم مرحومہ دونوں محکمہ تعلیمات میں ملازم تھے۔ والدہ محبوبیہ گرلز اسکول میں معلمہ تھیں۔ رابعہ بیگم صاحبہ کی ابتدائی تعلیم بارہ سال کی عمر تک گھر ہی پر ہوئی۔ ۳ر فروری ۱۹۱۴ء میں محبوبیہ گرلز اسکول میں شریک ہوئیں۔ لیکن چونکہ گھر پر انگریزی تعلیم نہیں ہوئی تھی اس لئے اس طرح کی تمام طالبات کے لئے ایک علٰحدہ جماعت کھولی گئی۔ تھوڑے سے عرصے میں انھوں نے اس بدیسی زبان میں ایسی لیاقت بہم پہنچائی کہ اپنی جماعت میں اول آئیں اور انھیں ایک کریپ ڈیشین کی ساڑی بطور انعام دی گئی۔ اسی طرح

انھوں نے جونیئر کیمبرج اور سینیئر کیمبرج کی تکمیل کرلی اور گھر پر والدِ بزرگوار کے منشی اور منشی فاضل کا پورا نصاب پڑھایا۔

۱۹۱۶ء میں اسکول کی دو معلمات نجستہ سلطانہ بیگم اور بانو بیگم شدید علالت کے باعث ترکِ ملازمت پر مجبور رہوئیں۔ اس زمانے میں معلمات کم یاب تھیں اس لئے مس والڈ صدر مدرسہ کی تحریک پر ۱۳۲۶ ف میں ایک جائداد پر رابعہ بیگم صاحبہ کا تقرر ہوگیا۔ ابتداء میں لوئر اسکول پر متعین کی گئیں، بعد کو سینئر اسٹاف میں لے لیا گیا۔ ملازمت کا یہ سلسلہ بیس سال تک جاری رہا اور وہ السنۂ شرقیہ کی ایک کامیاب معلمہ متصور کی جاتی رہیں۔ ملازمت کا اکیسواں سال تھا کہ اچانک محمد انوار اللہ مہتمم تعمیرات کا پیام پہنچا۔ اور بات طے ہوتے ہی اتوار ۲۳ مہر ۱۳۴۶ ف کو عقد ہوگیا۔ عقد کے دوسرے ہی روز انوار اللہ صاحب کو نظامت تعمیرات (حیدرآباد) پر ترقی ملی۔ رابعہ بیگم صاحبہ نے شادی کے بعد طویل رخصت لی اور اب خاوند اور تین بچوں کے ساتھ ان کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا۔ بقول ان کے حافظ شیرازی۔ شیخ سعدی، نظامی عروضی، اور فردوسی طوسی کی مصاحبت نون، تیل لکڑی کی مشغولیت سے بدل گئی"۔

نومبر ۱۹۳۸ء میں ادارۂ ادبیات اردو کے شعبۂ نسوان کا قیام عمل میں آیا تو مسز انوار اللہ کو اس کی صدارت تفویض کی گئی۔ اڈکمیٹ میں جہاں وہ اپنے خاوند کے ساتھ رہنے لگی تھیں کوئی

زمانہ اسکول نہیں تھا اس لئے انھوں نے اپنے گھر ہی پر لڑکیوں کو بلا کر اردو زبان دانی حساب اور دستکاری کی تعلیم شروع کی آذر ۹ ۴ ف میں ارکان عاملہ شعبہ نسوان ادارۂ ادبیات اردو نے انھیں کے گھر پر ایک باقاعدہ مدرسہ کا افتتاح کیا۔ اور ادارہ سے کچھ رقمی امداد بھی ملنے لگی مس جیسی نندی آنجہانی صدر مہتممہ نے بھی مدرسہ کا معائنہ کرکے امداد جاری کی۔ اس طرح ایک مستقل اور باضابطہ مدرسہ نسوان کی داغ بیل پڑی۔

مسز انوار اللہ کو کل ہند انجمن خواتین کی طرف سے بمبئی اور ناگپور جانے اور کام کرنے کا موقع بھی ملا۔ انھوں نے ۳۵۱ ف میں صدر مجلس امبولنس (حیدرآباد) سے فرسٹ ایڈ کی درجہ دوم کے ساتھ سند حاصل کی۔ قاری محبوب علی صاحب مرحوم سے قرأت اور ایک فنکار سے ستار بجانا سیکھا۔

شادی کے چھٹے سال ان کی سوتیلی بیٹی عاصمہ کی شادی ہوئی اس کے بعد ان کی خانگی زندگی میں ایک ایسا ناگفتہ بہ انتشار پیدا ہوا کہ ان کا دل زندگی کی دلچسپیوں سے اٹھ گیا۔ ایسے میں ان کے خالہ زاد بھائی مولانا صفوۃ الرحمٰن صاحب مدیر الحق ان کی بھاوج اہلیہ نصر اللہ کے انتقال کا پرسہ دینے کے لئے آئے ان سے جو گفتگو رہی ان سے مسز انوار اللہ کی زندگی کی کایا پلٹ ہوگئی۔ اب نہ وہ مغربی تہذیب رہی نہ وہ محفل آرائیاں، گھر کا

ضروری کام انجام دینے کے بعد علوم دین کی تحصیل و تبلیغ
اور صحیح تعلیمات اسلام کا اتباع واشاعت کا کام ان کی زندگی
کا مقصد بن گیا۔ اب ان کا قیام بنجارہ ہل پر ہے۔ قریب رہنے
والے چند بیویاں اور لڑکیاں جمع ہو جاتی ہیں اور مسز انوار اللہ
تجدید و احیائے دین پر درس دیتی ہیں۔

مسز انوار اللہ کو سوتیلی ماں کی حیثیت سے جو تجربے ہوئے
انھوں نے ان سے فائدہ اٹھا کر 'سوتیلی ماں' کے نام سے ایک کتاب
مرتب کی جس میں سوتیلی ماں اور سوتیلے بچوں کے تعلقات کے
خوشگوار بنانے کے طریقوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ادارہ سے اس
کے دو اڈیشن شائع ہوئے ہیں۔

پنڈت راگھوندر راؤ صاحب جذب عالمپوری

پنڈت راگھوندر راؤ جذب رام راؤ آبجہانی کے فرزند
۲۰ ر اپریل ۱۸۹۴ء کو تعلقہ گنگا وتی (کرناٹک) ضلع رائچور (حیدرآباد)
میں پیدا ہوئے۔ کمسنی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو عالم پور کے
ایک شریف الخاندان اور متمول گھرانے کی ایک بی بی سیتا بائی
صاحبہ نے ان کو متبنیٰ کر لیا۔ اسی ماں سے جذب صاحب نے تلنگی
سیکھی جن کو اس زبان پر کامل عبور حاصل تھا۔ اپنی نانی بھاگما
آبجہانی۔ سے آمدن، کر یا، اور خالق باری سیکھی جن کو یہ کتابیں
از بر تھیں۔ سید مخدوم حسینی صاحب عرف خواجہ پیراں سے
عربی سیکھی اور صرف نحو ختم کیا۔ پنڈت راجہ رام نرسو آبجہانی
سے فارسی سیکھی۔ اردو میں ادیب کامل اور فارسی میں منشی فاضل
تک تعلیم پائی۔ اکثر ذی علم پنڈتوں کی صحبت میں رہ کر سنسکرت
سیکھی۔ اور اپنے طور پر مطالعے کے ذریعے ہندی زبان پر عبور حاصل
کیا۔ کنڑی تو ان کے گھر کی زبان ہے۔ انھوں نے خوشخطی کے نر

فن میں بھی دستگاہ بہم پہنچائی۔

۱۳۳۲ ف میں امتحان جوڈیشل میں بدرجہ دوم کامیابی حاصل کی اور بارہ سال تک عالم پور میں وکالت کرتے رہے۔ اپنے پیشے کے بارے میں جذب صاحب نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ مسلسل بارہ سال تک پیشۂ وکالت انجام دیا مگر نہ ذریعہ قبول کو فائدہ پہنچا نہ مجھے آمدنی ہوئی۔ عرصہ دراز تک عالم پور میں قیام رہا۔ اب کچھ دنوں سے شہر حیدرآباد میں سکونت اختیار کرلی ہے۔ ان کے بڑے فرزند پرہلاد راؤ چادرگھاٹ کالج میں زیر تعلیم ہیں۔ اور ان کے داماد مسٹر گرا چاری بی۔ اے، ایل ایل بی گنگا واتی (حیدرآباد) میں نائب تحصیلدار ہیں۔

ویسے جذب صاحب کو کنڑی، تلنگی، ہندی، سنسکرت، عربی اور فارسی جیسی مختلف زبانوں پر عبور حاصل ہے لیکن ان کو اردو زبان سے عشق ہے اور اسی زبان کے رباعی گو شاعر کی حیثیت سے ان کی شہرت ہے۔ ۱۹۱۲ ء میں ایک ذہنی کوفت کے باعث ان کو شاعری کا شوق ہوا تو شوکت میرٹھی سے رجوع کیا۔ شوکت مرحوم نے ان کے شوق کو ابھارا اور جذب تخلص تجویز کیا۔ ان کے انتقال کے بعد سخا دہلوی سے علم عروض کی تعلیم حاصل کی اور انھیں کی رہنمائی میں غزل گوئی میں ملکہ پیدا کیا۔ مگر ان کا طبعی میلان رباعی کی طرف تھا اس

لئے حیدر آباد کے مشہور رباعی گو شاعر حضرت امجد حیدر آبادی
سے مشورہ سخن کرنے لگے اور تھوڑے ہی دنوں میں اس صنف سخن
کے استاد سمجھے جانے لگے۔ عالمپور میں ادارۂ ادبیات اردو کی
شاخ قایم کی اور بہت سے رکن بنائے ان کی رباعیات
کا پہلا مجموعہ" ارمغان " ادارے کی طرف سے شائع
ہوا ہے۔

جذب کے کلام کے مطبوعہ مجموعے حسب ذیل ہے :۔

۱) ارمغان جذب

۲) رباعیات جذب

۳) جوہر تمثیلات

۴) غیر مطبوعہ کلام کے مجموعہ حسب ذیل ہیں :۔

۱) صد پارۂ دل (مجموعہ رباعیات)

۲) احساسات

۳) چہار بہار

۴) معلومات جذب

۵) کلام جذب (حصہ اول)

۶) منظومات

۷) مکتوبات جذب (حصہ اول)

۸) مکتوبات جذب (حصہ دوم)

۱۰) مقالہ تذکیر و تانیث

۱۱) میخانۂ مرغوب   تذکرۂ شعرائے جنوبی ہند۔
۱۹۵۴ء

۱۲) بھرتری ہری نیتی شتک (سنسکرت) منظوم اردو ترجمہ

۱۳) بھرتری ویراگ شتک   "

۱۴) مکالمۂ بے نظیر (سنسکرت) جگت گرو سوامی شنکرا چاریہ وشنو تر رتن کا منظوم اردو ترجمہ۔

۱۵) جہالت نامہ سنسکرت) مورکھ شتک کا منظوم اردو ترجمہ

۱۶) ادارکات مرغوت   سنٹری سوبھاشو شتک کا منظوم اردو ترجمہ
۱۸۷۵ شتک

۱۷) منتری دھرم پرکاش (سنسکرت) کا منظوم اردو ترجمہ

۱۸) اردو اردو لغات
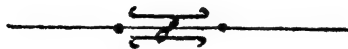
ڈاکٹر رائے رگھونند راج سکینہ صاحب الہام

ایم ۔ بی ۔ بی ایس

ڈاکٹر رائے رگھو نند راج سکینہ صاحب الہام کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو سکی ۔ شہر حیدر آباد میں پیدا ہوئے اور اب ان کی عمر تقریباً پچاس سال ہے ۔ ان کے والد رائے کشن راؤ آنجہانی پائیگاہ کی افواج باقاعدہ وبے قاعدہ کے سررشتہ دار اور ناظم مخارج تھے ۔ ڈاکٹر صاحب کا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جو ہمیشہ سے علم و ادب کا رسیا رہا ہے ۔ ان کے نانا راجہ گردھاری پرشاد محبوب نواز ونت باقی عرف بنسی راجہ استاذ الاساتذہ حضرت میر شمس الدین محمد فیض کے خاص شاگرد تھے اور اردو، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں کے شاعر تھے اور تینوں زبانوں میں صاحب دیوان تھے ۔ ڈاکٹر صاحب کے ماموں راجہ نرسنگ راج عالی حیدر آباد کے پختہ مشق شعرا میں سمجھے جاتے ہیں اور اپنے والد بنسی راجہ کی طرح شعراء کی قدر دانی اور سرپرستی فرماتے ہیں ۔ عالی کے بھائی محبوب راج محبوب آنجہانی بھی

اچھے شاعر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم بنسی راجہ کی دیوڑھی کے کالستھ پاٹھ شالہ میں ہوئی جہاں انھوں نے ایک ادبی انجمن بھی قایم کی تھی۔ زمانہ طالب علمی میں ان کی خانگی زندگی میں ایسا خلفشار پیدا ہوا کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر مہندر راج سکسنہ کے ساتھ حیدرآباد کے باہر چلے گئے اور مندروں اور سادھوؤں کے ماحول میں زندگی گذارنے لگے۔ والد کے انتقال کے بعد وہ اور بھی مفلوک الحال ہوگئے۔ ان حالات میں ان کے بڑے بھائی رائے ست گرو پرشاد ایڈوکیٹ نے ان دونوں بھائیوں کی دستگیری کی۔ بالآخر ڈاکٹر صاحب نے دارالعلوم ہائی اسکول سے میٹرک اور جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے انٹرمیڈیٹ کرکے میڈیکل کالج میں شرکت لی۔ ۱۳۴۷ف میں یم بی۔ بی یس کی ڈگری لی۔ سرکاری ملازمت مل گئی تھی لیکن انھوں نے ملازمت چھوڑ کر چارمینار کے قریب "دکن کلینک" کے نام سے اپنا خانگی مطب کھول لیا جو سترہ سال سے مرجع خلایق بنا ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی مصروفیت کا یہ عالم ہے کہ صبح ساڑھے سات بجے گھر سے نکلتے ہیں تو رات کے دو بجے سے پہلے گھر کو نہیں لوٹتے۔ انھوں نے اپنے چھوٹے ماموں راجہ محبوب راج بہادر کی لڑکی سے شادی کی جن کے بطن سے اب سات لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں۔ ڈاکٹر زور صاحب بھی اسی کالستھ پاٹھ شالہ میں ڈاکٹر ستار

آر سکینہ کے ہم جماعت رہے ہیں اس لئے ڈاکٹر سکینہ سے ان
کی بچپن کی دوستی ہے۔ اس خلوص و محبت کی وجہ سے ڈاکٹر
صاحب اور ان کے عزیز و اقارب کو ادارۂ ادبیات اردو سے
گہرا تعلق خاطر اور تعاون رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو شعر و ادب
سے مذاق ورثہ میں ملا ہے۔ وہ بھی راگھویندر راؤ جذب
کی طرح ایک پختہ مشق اور قادر الکلام رباعی گو شاعر ہیں۔

حضرت امجد سے مشورۂ سخن بھی کیا ہے۔ ادارہ
ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے ان کی رباعیات کا ایک
مجموعہ "رباعیات الہام" گذشتہ سال ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا
ہے۔ قریب میں ان کی رباعیوں کا دوسرا مجموعہ بھی ادارہ کی
کی جانب سے شائع ہونے والا ہے۔

ڈاکٹر رحیم الدین کمال پی ایچ ڈی

ڈاکٹر رحیم الدین کمال ۱۸ اپریل ۱۹۲۲ء کو ظہیر آباد (حیدر آباد دکن) میں پیدا ہوئے۔ ان کے آبا و اجداد یو، پی، بریلی اور دلی سے تعلق رکھتے تھے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد دکن چلے آئے۔ ان کے والد بڑے دیندار اور قوم و ملت کا درد رکھنے والے آدمی تھے۔ عالم اسلام کی انقلابی تحریکات کے لئے خود کو وقف کر دینا چاہتے تھے لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔ صغر سنی میں والد کے انتقال کے باعث کمال صاحب کی تعلیم و تربیت ان کی والدہ نے کی۔ والد نے ورثہ میں خاصی جائداد چھوڑی تھی لیکن بعد کو یہ جائداد عزیز و اقارب کی دستبرد کی نذر ہو گئی۔ ابھی ان کی عمر دس سال کی تھی کہ ان کو تعلیم کے لئے اپنی والدہ کو چھوڑ کر حیدر آباد آنا پڑا۔ اسی زمانہ میں ان کا ایک خط اخبار "میزان" کی ہفتہ وار اشاعت میں شائع ہوا جو اس وقت کے ماحول کی عکاسی کرتا ہے

ابتدائی تعلیم کچھ دن گھر پر ہوئی۔ پھر دارالعلوم ہائی اسکول میں شریک ہوگئے۔ میٹرک کے امتحان امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا اسی طرح ایف اے۔ اور بی۔ اے کے امتحانات بھی امتیازات کے ساتھ پاس کئے۔ ۲۲ر فروری ۱۹۴۶ء کو پروفیسر جمیل الرحمٰن مرحوم کی دوسری صاحبزادی سے ان کی شادی ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ نظام کالج کی ایم۔ اے ہیں اور ادبی اور سماجی کاموں سے گہری دلچسپی رکھتی ہیں۔ کمال صاحب اپنی جامعی زندگی میں پروفیسر جمیل الرحمٰن مرحوم کے تبحر علمی سے بیحد متاثر تھے۔ نواب بہادر یار جنگ، اقبال اور جمال الدین افغانی اور ایم این رائے سے بھی انھوں نے گہرا اثر قبول کیا تعلیم ختم کرنیکے بعد تحصیلداری کے عہدہ پر تقرر ہوا کچھ عرصہ کارگذار رہنے کے بعد وہ ـــــ کی اعلیٰ تعلیم کیلئے اپنی اہلیہ کیساتھ یورپ چلے گئے ان کی اہلیہ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ کا وظیفہ ملا تھا۔ کمال صاحب کے گلاسگو یونیورسٹی سے قانون میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ لندن کے ڈاکٹر شوارزن برگر اور پروفیسر لنکس کے خاص شاگرد رہے۔ ان کی اہلیہ نے او۔ بی آنرز پاس کیا اور نفسیات پر تحقیقاتی کام انجام دیا۔ موصوف کا بیان ہے کہ یورپ کے سفر اور وہاں کی تعلیم سے ان کے خیالات میں وسعت اور نظر میں گہرائی پیدا ہوئی۔ اس وقت وہ محکمہ مال میں حسب سابق کارگذار ہیں۔ ان کے دو لڑکے زیر تعلیم ہیں۔ طالبعلمی کے زمانہ میں کمال صاحب مجلہ عثمانیہ کے مدیر رہے ہیں

کمال صاحب کو ہائی اسکول کی تعلیم کے زمانہ سے ہی لکھنے
کا شوق تھا۔ اسی شوق نے ان کو ڈاکٹر زور صاحب کے یہاں پہنچایا
صاحب موصوف نے عزیزوں کی طرح ان کی پرداخت میں حصہ لیا
سالہا سال تک ادارہ کی "مجلس اطفال" کے صدر رہے۔ اور اس
کی اشاعت کے لئے حیدرآباد کے مختلف اضلاع کا دورہ کیا اور
اس کی تفصیلی رپورٹ کتابی صورت میں مرتب کی۔ ڈاکٹر زور صاحب
کے فیض تربیت نے ان کے ذوق کو پروان چڑھایا۔ وہ ابھی
انٹرمیڈیٹ کے سال اول میں تھے کہ ڈاکٹر صاحب کی حوصلہ افزائی
سے فن خطابت جیسے مشکل فن پر "خطابیات" کے نام سے ایک
کتاب تالیف کی جو ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے ۱۹۴۱ء
میں شائع ہو گئی ہے۔ ان کی ایک اور کتاب "مملکت عباسیہ"
تاریخ اسلام پر شائع ہوئی ہے۔ کمال صاحب کے مضامین
مقالے اور تنقیدیں حیدرآباد اور باہر کے رسائل میں شائع ہوتی
رہی ہیں اور ان کی تقریریں ریڈیو اسٹیشن حیدرآباد اور بی۔ جی۔ سی
سے نشر ہو چکی ہیں۔

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب

ایم اے۔ پی ایچ۔ ڈی

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب ۱۳۱۴ف میں شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد مظفر الدین صدیقی صاحب بالم کے العامدار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ صدر محاسبی حکومت حیدرآباد میں ملازم تھے۔ وظیفہ حسن خدمت پر علٰحدہ ہونے کے کچھ عرصہ بعد اپنے صاحبزادگیاں کے ساتھ یہاں پاکستان چلے گئے ہیں ڈاکٹر صاحب نے مدرسہ دارالعلوم میں تعلیم پائی اور اسی مدرسہ سے مولوی، منشی اور میٹرک کے امتحان پاس کئے اور ہر امتحان میں اول آئے۔ جامعہ عثمانیہ سے ۱۹۲۳ء میں انٹرمیڈیٹ کامیاب کیا اور فرسٹ ان فرسٹ آئے۔ ۱۹۲۵ء میں بی۔ اے میں بھی فرسٹ ان فرسٹ آئے۔ اس کے بعد ہی وظیفہ پر کیمبرج بھیجے گئے۔ ۱۹۲۷ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے ایم اے پاس کر کے لائپزگ یونیورسٹی (جرمنی) میں شریک ہوئے اور یہاں سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی۔ یورپ سے

واپس ہونے کے بعد جامعہ عثمانیہ کے شعبہ ریاضی میں ریڈری کی جگہ پر مامور ہوئے۔

طالبعلمی کے زمانہ میں ہی انتصارالدین حقانی انجنیر کی بہن سے شادی ہوگئی تھی جو کچھ دنوں بعد چل کر فوت ہوگئیں یورپ سے واپس ہونے کے بعد حیدرآباد کے با اقتدار امیر نواب کاظم یار جنگ مرحوم کی صاحبزادی سے ان کی شادی ہوگئی۔

ڈاکٹر صاحب کو بہت جلد پروفیسری کا گریڈ ملا۔ پھر وہ ریسرچ ڈائرکٹر جامعہ عثمانیہ بنائے گئے۔ ۱۹۴۶ء میں جامعہ عثمانیہ کے وائس چانسلر ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں ریسرچ ڈائرکٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ یہاں کچھ روز رہ کر پاکستان چلے گئے۔ وہاں بھی پشاور یونیورسٹی میں ریسرچ ڈائرکٹر کا عہدہ ملا۔ اب اس یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۳۵ء تک ۱۰۵ تحقیقی مقالے شائع کئے ایشیا میں سب سے زیادہ تحقیقاتی کام کرنے پر الہ آباد یونیورسٹی نے ان کو طلائی تمغہ دیا۔ وہ پروفیسر ہالی زن برگ اور آینسٹائن کے خاص شاگرد رہے۔ علامہ اقبال سے ان کے گہرے روابط تھے۔ ڈاکٹر صاحب اقبال کی شاعری کے بے حد دلدادہ ہیں۔

تصنیفات و تالیفات کے علاوہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے ان کے بعض ترجمے بھی شائع ہوئے ہیں۔ جن میں سے چند

حسب ذیل ہیں

۱) نظریہ افادیت پر ایک مبسوط کتاب لکھی جو انگریزی زبان میں بنگلور میں شائع ہوی ہے۔

۲) علم ہندسہ پر میٹرک کے لئے بالکل نئے انداز سے ایک کتاب لکھی۔

۳) اقبال کا تصور زماں و مکاں

۴) احصاء تفرقی و تکملی - پروفیسر کشن چندا ور ڈاکٹر رضی الدین نے مشترکہ طور پر تالیف کی جو دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے شائع ہوی۔

۵) محددوں کا ہندسہ۔ قاضی محمد حسین اور ڈاکٹر رضی الدین نے مشترکہ طور پر تالیف کی جو دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے شائع ہوئی

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب ادارہ ادبیات اردو کے بانیوں کے ہم درس ہیں اس لئے شروع سے ہی وہ ادارہ کے معین و مددگار رہے۔ ۱۹۴۲ء میں ان کی کتاب "تعلیم کا مسئلہ ادارہ ادبیات اردو سے شائع ہوی۔

رفیعہ سلطانہ صاحبہ ایم۔ اے

رفیعہ سلطانہ صاحبہ ۱۴ر ڈسمبر ۱۹۲۵ء کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئیں۔ ان کے آبا و اجداد ایران سے آکر لکھنؤ میں بس گئے تھے۔ والد سردار مرزا صاحب اورنگ آباد میں تحصیلدار تھے۔ اور والدہ اسکول میں اردو اور فارسی کی معلمہ تھیں۔ ان کے دو ماموں شاعر تھے۔ اس طرح رفیعہ صاحبہ کو بچپن سے ادبی ماحول ملا۔ ان کے تین بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ ان سے چھوٹی بہن عطیہ سلطانہ نے جامعہ عثمانیہ سے عمرانیات سے ایم۔ اے کیا اور اب کمیونٹی پراجکٹ میں چیف سوشیل ایجوکیشن آفیسر ہیں ایک بھائی سکندر توفیق بھی ایم۔ اے ہیں اور انوار العلوم کالج حیدرآباد میں انگریزی کے لیکچرار ہیں۔ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ رفیعہ صاحبہ ایم۔ اے کا امتحان دے چکی تھیں۔ اور ابھی نتیجہ نہیں نکلا تھا کہ ان کو محبوبیہ گرلز اسکول میں ۱۹۴۷ء ملازمت مل گئی

میں زنانہ کالج جامعہ عثمانیہ میں فارسی کی لیکچراری پر ان کا تقرر ہوگیا اب تک اسی خدمت پر کارگذار ہیں - اردو اور فارسی پڑھاتی ہیں اسی سال پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے قدیم اردو نثر پر مقالہ پیش کیا ہے اسکول اور کالج میں مختلف تمغے اور تعلیمی امتیازات حاصل کئے - تقریر اور اداکاری کے لئے دو گولڈن میڈل ملے -

زمانہ طالب علمی ہی میں ڈاکٹر زور اور بیگم زین یار جنگ سابق پرنسپل زنانہ کالج نے سرپرستی کی اور انہی کے ایما پر بچوں کے لئے ایک چھوٹی سی کتاب "حیدرآباد" شائع کی - انھیں ادب کی ہر صنعت سے دلچسپی ہے - افسانے بھی لکھتی ہیں ڈرامے بھی لکھتی ہیں تنقیدیں بھی لکھتی ہیں - شعر بھی کہتی ہیں - اورنگ آباد ریڈیو اسٹیشن سے ڈراموں کے مقابلہ میں پہلا انعام حاصل کیا - اب تک صرف دو کتابیں شائع ہوسکی ہیں :-

۱) حیدرآباد - اس کتاب میں بچوں کے لئے ریاست حیدرآباد کا طبعی جغرافیہ، تاریخ، طرز معاشرت، صنعتیں زبانیں طرز حکومت آثار قدیمہ اور ذرائع حمل ونقل کے بارے میں ضروری معلومات سادہ اور سلیس زبان میں جمع کی گئی ہیں یہ کتاب ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوئی۔

۲) کچے دھاگے - افسانوں کا مجموعہ ہے

مندرجہ ذیل کتابیں مکمل ہوگئی ہیں اور محتاج اشاعت ہیں :-

(۱) اردو نثر فورٹ ولیم کالج سے پہلے۔ یہ پی ایچ۔ڈی کا مقالہ ہے (۲) انگریزی ناول کا اثر اردو ناول پر (یہ تنقید ہے) (۳) حلقۂ زنار۔ اردو کے ادیبوں کا تذکرہ ہے (۴) بھاگ ستی۔ ایک ایکٹ کا ڈرامہ ہے۔ (۵) مضامین۔ اس مجموعے کے مضامین ادب اور ادیت، ادب میں نظریہ کردار، جدید شاعری، جدید اردو ناول، میر (ایک مطالعہ)، اردو شاعری میں گل و بلبل وغیرہ ہیں۔

سید زاہد حسین صاحب

ایم - ایڈ (عثمانیہ)

سید زاہد حسین صاحب کا آبائی وطن امروہہ ہے۔ مدرسہ مشقی خیریت آباد (حیدرآباد دکن) کے ہیڈ ماسٹر تھے وظیفہ حسن خدمت پر علیحدہ ہونے کے بعد پاکستان چلے گئے۔ سجاد مرزا صاحب معتمد تعلیمات، حیدرآباد دکن کی رہنمائی میں تعلیم بالغان کے مسائل کا گہرا مطالعہ کیا اور ایک اسکیم بھی مرتب کی۔ نواب مہدی یار جنگ مرحوم سابق صدر المہام ریاست حیدرآباد (دکن) و صدر ادارہ ادبیات اردو نے عوام میں تعلیم بالغان کی تحریک سے دلچسپی پیدا کرنے کی غرض سے اس موضوع پر بہترین مقالات لکھنے والے حضرات کے لئے انعامات کا اعلان فرمایا تھا۔ سید زاہد حسین صاحب ایم - ایڈ (عثمانیہ) نے بھی اس مقابلہ کے لئے ایک مقالہ لکھا تھا، جس پر انھیں انعام اول عطا کیا گیا۔ بعد کو اسی

مقالہ میں اضافہ کرکے "مسلم بالغان" کے نام سے کتابی صورت میں ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے ۱۹۴۳ء میں شائع کیا۔ یہ مختصر کتاب اس موضوع پر اردو میں پہلی کتاب ہے۔ موصوف نے بعض کتابوں کے ترجمے بھی کئے ہیں۔

ڈاکٹر سدھیشور ورما

ایم-اے-پی ایچ ڈی ڈی لٹ

ڈاکٹر سدھیشور ورما ایم-اے، پی ایچ-ڈی-ڈی لٹ سرزمین پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جموں کالج (کشمیر) میں سنسکرت اور لسانیات کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔ اسی زمانہ سے ڈاکٹر زور صاحب سے ان کے ہمعصرانہ تعلقات پیدا ہوئے اور ادارہ کے کاموں میں دلچسپی لینی شروع کی۔ آریائی لسانیات، کے نام سے اردو زبان کی تاریخ اور اس کے ماخذ کا تذکرہ مرتب کرکے ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع کیا۔ اردو انسائیکلوپیڈیا کے لئے لسانیاتی موضوعات پر اردو میں مقالے قلمبند کئے۔ پروفیسر سروری صاحب کے ساتھ مل کر لسانیاتی اصطلاحوں کی ایک لغت مرتب کی جو

میسور میں زیر طبع ہے۔

ڈاکٹر دراکل ہند انجمن لسانیات کے صدر رہے ہیں۔ آج کل معتمد تعلیمات حکومت ہند میں صیغہ ہندی میں مامور ہیں۔
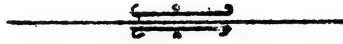
سری کرشنا سنہا آئی۔اے۔ایس

رائے سری کرشن سنہا ۲ رجون ۱۹۲۰ء کو شہر حیدرآباد (دکن) میں پیدا ہوئے ان کے والد رائے نارائن پرشاد حیدرآباد کی فوج کے مالی مشیر تھے۔ موصوف کی چھے بہنیں اور چار بھائی ہیں۔ لکھنؤ میں ڈاکٹر ہرگوبند سہائے کی صاحبزادی سے ۱۹۴۳ء میں شادی کی جن سے اب چار لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے ابتدائی تعلیم — جونیر کیمبرج تک سنیٹ جارجس گرامر اسکول حیدرآباد میں ہوئی۔ سٹی کالج ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا جامعہ عثمانیہ سے ۱۹۳۶ء میں انٹرمیڈیٹ کامیاب کیا اور میرٹ اسکالرشپ کے مستحق قرار پائے۔ ۱۹۳۸ء میں مضامین اختیاری تاریخ اور سیاسیات کے ساتھ بی اے کیا۔ ۱۹۴۰ء میں حیدرآباد سیول سروس کے مقابلہ میں منتخب ہوئے اور دو سال کی فنی تعلیم کے بعد ۱۹۴۲ء میں ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر تقرر ہوا۔ ۱۹۴۸ء میں کلکٹری پر ترقی ملی۔

عادل آباد، عثمان آباد، اور اورنگ آباد پر کلکٹر کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد اب جنرل اڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ میں اسپشل آفیسر آن ڈیوٹی کی حیثیت سے کارگذار ہیں۔ اورنگ آباد میں آرٹ سوسائٹی کی بنیاد رکھی اور اس کے ممبر ہیں۔ گذشتہ سولہ سال سے ادارۂ ادبیات اردو کے رکن ہیں اور ہر ممکنہ طریقے سے ادارہ کی ترقی میں کوشاں رہے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں بنارس کی پی۔ای۔ این کانفرنس میں ان کو ادارہ کا نمائندہ بنا کر روانہ کیا گیا۔ انھوں نے بنارس الہ آباد اور پٹنہ میں ادارہ کی اردو خدمات سے متعلق کئی تقریریں کیں جو بعد کو سب رس میں شائع ہوئیں،

سہا صاحب کو طالبعلمی کے زمانے سے ہی شعر و ادب سے لگاؤ رہا ہے۔ کچھ دنوں تک وہ شعر بھی کہتے رہے۔ موصوف کے متعدد مضامین زمانہ (کانپور) سب رس (حیدرآباد) کے علاوہ دوسرے رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اب تک ان کے افسانوں کے دو مجموعے شائع ہوئے۔

۱) زمین کانپ رہی ہے۔

۲) رم جھم۔ یہ مجموعہ ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوا ہے ان کی کہانیوں کا تیسرا مجموعہ "لالہ صحرائی" ابھی شائع نہیں ہوا ہے سہا صاحب نے انگریزی میں سلاطین بہمنی کی ایک تاریخ بھی لکھی ہے۔

پروفیسر محمد سعید الدین صاحب

ایم اے (اڈنبرا)

پروفیسر سعید الدین صاحب ۲۷ر جون ۱۹۰۴ء کو شہر حیدرآباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ مفید الانام میں پائی اور ثانوی تعلیم کی تکمیل سٹی ہائی اسکول سے کرکے سینٹ جانس کالج (آگرہ) میں شرکت کرلی۔ ۱۹۲۵ء میں سینٹ زیویرس کالج (بمبئی) سے بی۔ ایس سی کیا۔ وہ میڈیکل کالج میں شریک ہونا چاہتے تھے لیکن عبدالرحمان خاں صاحب سابق صدر عثمانیہ کالج نے نباتیات کی لیکچراری پر ان کا تقرر کردیا۔ تقرر کے دو سال بعد وہ ۱۹۲۷ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے اپنے اخراجات سے اڈنبرا یونیورسٹی گئے اور ۱۹۳۰ء تک سر ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ اسمتھ کے ساتھ کام کرکے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ یورپ سے واپس ہونے کے بعد ان کو ریڈری دیگئی

سعید الدین صاحب نیشنل اکیڈیمی آف سائنس (الہ آباد) رائل مائیکراسکوپکل سوسائٹی (لندن)، لن نین سوسائٹی (لندن)،

کے فیلو ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں کلکتہ میں منعقدہ انڈین سائنس کانگریس ایسوسی ایشن کے اجلاس میں شعبہ نباتیات کے ریکارڈر رہ چکے ہیں مسلم ایربک آف انڈیا کے شعبہ نباتیات کی ادارت کا کام بھی انجام دیا ہے۔ آندھرا یونیورسٹی اور میسور یونیورسٹی کے بورڈ آف اسٹیڈیز کے رکن رہے۔ آندھرا یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی کے بورڈ آف اپائنٹمنٹ کے رکن بھی بنائے گئے۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں عرصہ تک سائنسی اصطلاحات کے اردو ترجمہ کا کام انجام دیا۔ اسی تجربہ کی بناء پر حکومت ہند نے ان کو "کمیٹی آف ٹیکنیکل ٹرمز ان باٹنی" کا رکن نامزد کیا ہے۔ جولائی ۱۹۵۴ء میں پیرس میں منعقدہ انٹرنیشنل سائنس کانگریس میں عثمانیہ یونیورسٹی کی نمائندگی کی۔ یونیورسٹی کونسل کی رکنیت پر بھی ان کو نامزد کیا گیا۔ شعبہ نباتیات عثمانیہ یونیورسٹی کی صدارت کے ساتھ گذشتہ پانچ سال سے یونیورسٹی کالج آف سائنس کے پرنسپل کی حیثیت سے بھی کام کر رہے ہیں۔

سائنسی علوم میں اسقدر انہماک کے ساتھ ساتھ پروفیسر سعیدالدین صاحب کو مصوری اور موسیقی جیسے فنون لطیفہ سے بھی گہرا لگاؤ ہے۔ خصوصاً آبی رنگ کاری میں انھیں خاص مہارت حاصل ہے۔ ان کی تیار کی ہوئی تصویریں کل ہند صنعتی نمائش (حیدرآباد) کی آرٹ گیلری میں پیش کی جا چکی ہیں۔

ڈاکٹر بیربل سہانی آنجہانی نے ان کے فن کو دیکھ کر اس کی طرف خصوصی توجہ دینے کی خواہش کی تھی۔ اسی طرح انھیں فن موسیقی سے بھی دلچسپی ہے۔ استاد باپو راؤ سے انھوں نے دلربا سیکھا۔ اور نشر گاہ حیدرآباد سے فن موسیقی پر تقریریں بھی نشر کیں۔ سابق پرو وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ قاضی محمد حسین مرحوم کے زمانہ میں جامعہ عثمانیہ میں بزم موسیقی قایم ہوی تو سعیدالدین صاحب کو اس کا نگراں مقرر کیا گیا۔

ڈاکٹر قاضی معین الدین کے انتقال کے بعد سے پروفیسر سعدالدین صاحب ادارے کے شعبہ سائنس کے معتمد ہیں اور اس کے لئے اردو میں سائنسی موضوعات پر متعدد کتابیں تیار کرائیں اور خود بھی لکھیں۔ اردو سائیکلو پیڈیا کے شعبہ نباتیات کی اصطلاحوں اور مقالوں کی تیاری بھی انہیں کے تفویض ہے اس کے لئے عمدہ مقالے لکھوائے اور تصویریں بنوائیں۔

پروفیسر سعیدالدین صاحب نے ۱۹۵۰ء تک چونتیس تحقیقی مقالے لکھے ہیں جو عموماً ہندوستان اور حیدرآباد کے پودوں اور پھولوں کے بارے میں ہیں۔ حیدرآباد کے نباتات پر انھوں نے جو تحقیقات کی ہیں ان کے متعدد حوالے مٹکاف اور چاک کی کتاب " اینا ٹومی آف ڈکوٹی لی ڈنس " میں دیئے گئے ہیں یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں آکسفورڈ سے ۱۹۵۰ء

میں شائع ہوئی ہے

میکسکو کے روزنامہ "ایل نار تی" کی اشاعت مورخہ ۷ر اکتوبر ۱۹۴۲ء میں سعید الدین صاحب کی تصویر، حالات زندگی اور تحقیقی کاموں کی تفصیل "مشہور عالم ہستیاں" کے عنوان سے شائع ہوئی اس کے علاوہ نباتیات پر دوسری مستند کتابوں میں بھی ان کی تحقیقات کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ انھوں نے تین انگریزی کتابوں کے اردو ترجمے بھی کئے ہیں۔

۱) میالوزل آف زولوجی ۲) ٹکسٹ بک آف بوٹینی
۳) فزیالوجیکل پلانٹ بوٹینی۔ علم نباتات پر انھیں اردو میں پانچ کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔

۱) مبادی حیاتیات۔ یہ مختصر کتاب سادہ اور دلچسپ زبان میں اعلیٰ ثانوی کے طلبا کے لئے لکھی گئی ہے۔

۲) پودوں کی کہانی خود ان کی زبانی۔ ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

۳) ہمارے پھول۔ ادارہ ادبیات اردو کے طرف سے شائع ہوئی ہے۔

۴) پودے اور ان کی زندگی۔ انجمن ترقی اردو ہند کی طرف سے شائع ہوئی ہے

۵) تاریخ علم نباتات۔ ادارۂ اشاعت علوم و فنون کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

سکینہ بیگم صاحبہ نواب خدیو جنگ مرحوم سابق ناظم طبابت حیدرآباد کی منجھلی صاحبزادی ہیں۔ ان کی والدہ طیبہ بیگم مرحومہ نواب عمادالملک مولوی سید حسین بلگرامی کی دختر اردو اور انگریزی کی اچھی ادیب اور متعدد کتابوں کی مصنفہ تھیں۔ سکینہ بیگم صاحبہ ۱۹۰۲ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ ان کی تعلیم محبوبیہ گرلز اسکول میں ہوئی۔ اسی اسکول سے سینئر کیمبرج کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ ان کی شادی سید رحمت اللہ صاحب ایم اے۔ بار ایٹ لا سے ہوئی جو اب نائب معتمدی طبابت و امور عامہ حیدرآباد کے عہدہ سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہو گئے ہیں۔ موصوفہ اپنی والدہ مرحومہ کی طرح انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں لکھتی ہیں۔ اردو میں شعر بھی کہتی ہیں اور سکینہ تخلص

نی ہیں۔ شاعری میں اپنے چچا مرزا مہدی خاں کوکب سے تلمیذ
حاصل ہے۔ اور سید علی حیدر طبا طبائی سے بھی استفادہ کیا ہے
ان کے کلام کا نمونہ "خواتین دکن" مرتبہ نصیر الدین ہاشمی میں شائع
ہوا ہے۔ سکینہ بیگم صاحبہ اچھی مقررہ بھی ہیں۔ ان کے مضامین
"سب رس" میں شائع ہوتے ہیں۔

۱۹۳۸ء میں جب ادارہ ادبیات اردو کی توسیع کے لئے
کاموں کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے تو ملک کی خواتین
کا ایک علمی اور ادبی مرکز پیدا کرنے کے لئے شعبۂ نسوان کا قیام
بھی عمل میں آیا۔ اس شعبہ کی معتمدی کا فریضہ سکینہ بیگم صاحبہ
کے سپرد کیا گیا۔ اس لئے کہ وہ اس سے قبل ہی سے ادارہ کے
کاموں میں دلچسپی لینے لگی تھیں اور ان کی وجہ سے نواب مہدی یار جنگ مرحوم
بھی ادارے کے صدر اور مدد و معاون بن گئے تھے غرض اس
ادارے نے سکینہ بیگم صاحبہ کی کوششوں کے باعث بیحد ترقی کی،
رسالہ سب رس ادارہ کی طرف سے ۱۹۳۸ء میں ڈاکٹر زور صاحب
کی نگرانی اور صاحبزادہ میکش کی ادارت میں جاری ہوا
۱۹۳۹ء میں اس کی ایک مجلس ادارت بنائی گئی جس میں سکینہ بیگم
صاحبہ کو بھی شریک کیا گیا۔ چنانچہ عرصہ تک خواتین کے مضامین
اور نظموں کے انتخاب اور ترتیب کا کام وہی انجام دیتی رہیں۔
جب سب رس کا دکن نمبر شائع ہوا تو موصوفہ نے شعبہ نسوان

کی طرف سے " نذرِ دکن کے نام سے ایک علیحدہ نمبر مرتب کرکے شائع کیا جس میں دکن کی خواتین کے مضامین اور نظمیں شائع کی گئیں۔ انھوں نے اپنی والدہ طیبہ بیگم مرحومہ کے مضامین کا مجموعہ " رسائل طیبہ " کے نام سے مرتب کرکے ۱۹۴۰ء میں ادارہ کی طرف سے شائع کیا۔

پروفیسر سیّد محمدؐ صاحب ایم-اے

سید محمدؐ صاحب ۱۹۰۶ء میں شہر حیدرآباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید عبدالرحمان مرحوم منصبدار تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم مدرسہ نظامیہ اور مدرسہ بازار گھانسی میں ہوئی۔ مڈل کا امتحان مدرسہ مفید الانام سے بدرجہ اول کامیاب کیا۔ اور سٹی ہائی اسکول میں شرکت لی۔ یہاں سے ہائی اسکول لیونگ سرٹیفکٹ کا امتحان کامیاب کرکے جامعہ عثمانیہ میں شریک ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں انٹرمیڈیٹ، ۱۹۲۶ء میں بی اے اور ۱۹۲۸ء میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ جامعہ سے نکلتے ہی سٹی کالج میں ملازمت مل گئی۔

۱۹۲۹ء میں محمدؐ عثمان مرحوم کی صاحبزادی سے شادی ہوئی جن کے بطن سے اب پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں۔

۱۹۴۳ء میں سٹی کالج سے جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو میں

تبادلہ ہوا جہاں دو سال بعد ریڈر ہو گئے اور اب تک وہیں کارگذار ہیں۔ سید صاحب عرصہ سے سررشتۂ تعلیمات اور جامعہ عثمانیہ کی نصابی کمیٹیوں کے رکن ہیں۔ دو مرتبہ جامعہ عثمانیہ کی اکاڈمک کونسل کے رکن چنے گئے ہیں۔ ۱۹۵۴ء میں یونیورسٹی کی سینیٹ کی رکنیت پر ان کا انتخاب ہوا۔ علمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ سید صاحب سماجی کاموں میں بھی سرگرمی سے حصہ لیتے رہے ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں بلدیہ کے رکن منتخب ہوئے اور ۱۹۴۰ء میں اے، آر، پی کے ڈویژنل وارڈن کی اعزازی خدمت ان کے تفویض ہوئی۔ اور انھوں نے بڑی خوش اسلوبی سے اس کام کو انجام دیا۔ ادارۂ ادبیات اردو کے قیام اور اس کی ترقی میں ڈاکٹر زور اور پروفیسر سروری صاحب کے ساتھ نمایاں حصہ لیا۔ جب پروفیسر سروری صاحب میسور گئے تو انھوں نے ادارے کے شعبۂ اردو امتحانات کے معتمد کی حیثیت سے اردو امتحانات کی ترویج و اشاعت میں بڑا کام کیا۔ ادارے کے شعبہ شعراء و مصنفین دکن کے بھی معتمد رہے۔ اور شعراء و مصنفین کی قبروں کو مضبوط کرنے اور ان پر کتبے لگانے کا انتظام کیا۔

بہت سے تاریخی کتبوں کے چربے ادارے کے لئے فراہم کئے۔ گذشتہ پندرہ سال سے ایک نیم سرکاری پرائمری اسکول کے معتمد ہیں اور انہی کی تنہا کوششوں سے یہ مدرسہ کامیابی کے

ساتھ چل رہا ہے۔ نواب سالار جنگ مرحوم کی سرپرستی میں "مجلس دکنی مخطوطات" قایم ہوی تو سید صاحب اس کے معتمد بنائے گئے اور اب تک یہ خدمت انھیں کے سپرد ہے۔

ہائی اسکول سے ہی سید صاحب کو ادب سے گہری دلچسپی تھی اور وہ مضامین لکھ لکھ کر رسائل اور اخبارات کو بھیجا کرتے تھے۔ جب تک سٹی کالج میں رہے وہاں کے رسالۂ "الموسی" کی ترتیب اور نگرانی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ان کی تصنیفات و تالیفات حسب ذیل ہیں۔

۱) ارباب نثر اردو۔ یہ کتاب فورٹ ولیم کالج کے لکھنے والوں کے حالات اور ان کی تصنیف و تالیف و ترجمہ کا جائزہ ہے۔ یہ کتاب اس موضوع پر واحد اور مستند کتاب ہے۔

۲) گلشن گفتار۔ یہ فارسی میں اردو شعراء کا قدیم تذکرہ ہے۔ جس کو خواجہ حمید اورنگ آبادی نے مرتب کیا تھا۔ سید صاحب نے اس تذکرہ پر مفید مقدمہ لکھ کر شایع کیا۔ اور ہر شاعر کے حالات کے ساتھ فٹ نوٹ میں دوسرے تذکروں کے بیانات بھی نقل کر دیئے ہیں۔

۳) مثنویات میر۔ یہ میر کی مثنویوں کا مجموعہ ہے جس پر مرتب نے ایک طویل اور مفید مقدمہ تحریر کیا ہے۔

(۴) ایمان سخن۔ حیدر آباد کے مشہور شاعر شیر محمد خان

ایمان کے کلام کا انتخاب ہے۔ مقدمہ میں شاعر کے سوانح حیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوی۔

۵) کلیات عبداللہ قطب شاہ۔ مجلس دکنی مخطوطات کے ایما پر عبداللہ قطب شاہ کا دیوان مرتب کیا ہے جو ہنوز شائع نہیں ہوا۔

۶) یادگار ولی۔ یوم ولی کے موقع پر جو مقالے اور نظمیں سنائی گئی تھیں سید صاحب نے ان کا مجموعہ مرتب کرکے شائع کیا ہے۔

سید صاحب نے ہائی اسکول اور کالج کے نصاب کے لئے متعدد انتخابات مرتب کئے جیسے قواعد فارسی، انتخاب جدید اردو، وغیرہ۔

سید صاحب کو صحافت کا بھی بہت تجربہ ہے۔ وہ پروفیسر سروری صاحب کے ساتھ عرصہ تک مجلہ مکتبہ کے نام سے ایک معیاری ادبی پرچہ شائع کرتے رہے۔ انجمن طلبائے قدیم عثمانیہ کے وہ اولین ارکان میں ہیں۔ اس انجمن کی مختلف کمیٹیوں مثلاً ادبی کمیٹی عثمانیہ بلدی جماعت وغیرہ میں عرصہ دراز تک بہت سرگرم حصہ لیتے رہے۔ اسی انجمن کی طرف سے انھوں نے مجلہ طیلسانین سہ ماہی جاری کیا تھا جس میں کئی علمی مقالے چھپے ہیں فرزندان جامعہ کی تالیفات کو ایک جگہ کرنے کا کام بھی انجمن کی طرف سے ابتدا میں انھوں نے انجام دیا اور اس طرح ان کی کوشش سے کئی مرتبہ فرزندان جامعہ کی علمی خدمات کی نمائش بھی ہوی۔

سیدہ مہدی جعفری صاحبہ بی۔ اے

سیدہ مہدی جعفری صاحبہ حیدرآباد کے ایک مشہور تہذیب یافتہ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ نے جامعہ عثمانیہ سے بی اے پاس کیا۔ جہاں بانو نقوی صاحبہ کی خاص شاگردوں میں سے ہیں تصنیف و تالیف سے دلچسپی لیتی رہی ہیں۔ رقیہ بیگم صاحبہ (بیگم نواب زین یار جنگ بہادر) نے ان سے "اشوک اعظم" کے نام سے ایک کتاب لکھوائی جو ۱۹۴۴ء میں ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوئی یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ ۱۹۵۰ میں اس کا دوسرا اڈیشن شائع کرنا پڑا۔ شادی کے بعد سے ان کا علمی اور ادبی کام ماند پڑتا گیا۔ اب محبوب نگر میں مقیم ہیں۔

شجاع احمد قاید

شجاع احمد قاید صاحب جنوری ۱۹۱۹ء میں یو۔ پی میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت حیدرآباد میں ہوئی۔ انگریزی فارسی، عربی، اور ہندی زبانیں سیکھیں اور اب سنسکرت بھی سیکھ رہے ہیں۔ کم سنی ہی میں والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اور متاہل زندگی کی ذمہ داریوں نے سلسلۂ تعلیم کو منقطع کر دیا۔ اس لئے انھیں وقت سے پہلے فکر معاش نے گھیر لیا۔ زندگی میں قدم قدم پر ناکامیوں اور مایوسیوں سے دو چار ہونا پڑا۔ صاحب موصوف کا بیان ہے کہ پانچ شخصیتوں نے ان کی زندگی کو متاثر کیا۔ فانی اور اقبال نے یاس اور آس کے اندھیروں اور اجالوں سے روشناس کیا۔ خلیفہ عبد الحکیم سابق صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ کا اثر ان کی انتہا پسندیوں کو حد اعتدال پر لانے کا باعث ہوا۔ قائد ملت

نواب بہادر یار جنگ مرحوم نے انھیں "قاید نسل نو" کا خطاب مرحمت فرمایا تھا جو ان کے نام کا جزو بن گیا ہے۔ اسلوب میں وہ زیادہ تر رشید احمد صدیقی سے متاثر ہوئے۔

قاید صاحب عالمگیر امن و اخوت کے دلدادہ ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ کم عمر بچوں کی ذہنی تربیت اس نہج پر کرنی چاہئے کہ وہ بڑے ہو کر تمام عالم انسانیت کو ایک برادری سمجھنے لگیں اسی خیال کے پیش نظر انھوں نے بچوں کے لئے سہل زبان اور دلچسپ انداز میں کتابیں لکھنا شروع کیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) کشمکش نانی (۲) باتیں (۳) رابنسن کروسو (۴) لاڈلا اکبر (۵) کھٹی مٹی بتیاں (۶) سٹرپ سٹرپ سوئیاں (۷) چھو منتر کا دھاگا (۸) سمندری جہاز (۹) دسترخوان (۱۰) کپڑے (۱۱) پٹرول (۱۲) چھتری فوج (۱۳) جنگ کے بعد کیا ہوگا (۱۴) سادہ زندگی (۱۵) عید (۱۶) زمین گول ہے (۱۷) ہو نہار۔

ان کتابوں میں سے ۱۹۴۱ء میں کشمکش نانی اور ۱۹۴۳ء میں باتیں، ادارہ ادبیات اردو سے شائع ہوئیں۔ ہو نہار انجمن ترقی اردو شاخ حیدرآباد سے شائع ہوئی۔ بقیہ کتابیں عبدالحق اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوئیں۔ ان کی دوسری تصنیفات

حسب ذیل ہیں۔

(۱) نشری تقریریں (۲) نشری ڈرامے (۳) مضامین (۴) بچوں کی نفسیات (۵) ایم۔ این رائے کی کتاب "ہسٹاریکل رول آف اسلام" کا ترجمہ۔ قائد صاحب کا بیان ہے کہ ان پانچوں کتابوں کے مسودے تقسیم ہند سے پہلے لاہور کے ایک پبلشر کے حوالے کئے گئے تھے۔ اطلاع ملی ہے کہ یہ کتابیں پاکستان میں چھپ چکی ہیں۔ قائد صاحب کے متعدد مضامین حیدرآباد اور بیرون حیدرآباد کے متعدد رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان کے اکثر ڈرامے حیدرآباد اور اورنگ آباد کے ریڈیو اسٹیشنوں سے بھی نشر ہوتے رہے ہیں۔

شیخ چاند مرحوم ایم اے (عثمانیہ)

شیخ چاند مرحوم پٹن (اورنگ آباد) کے رہنے والے تھے۔ اورنگ آباد کالج سے انٹرمیڈیٹ پاس کیا جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کی ڈگری لی۔ ایم۔ اے کے بعد مولوی عبدالحق صاحب کی نگرانی میں سودا کے کلام اور حالات پر تحقیقاتی کام کیا جو سودا کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔ ۱۹۳۹ء میں ڈاکٹر سید سجاد صاحب نے علالت کے باعث طویل رخصت لی تو شیخ چاند مرحوم کو ان کی جگہ عارضی طور پر مامور کیا گیا۔ اسی زمانے میں ڈاکٹر زور صاحب اور ادارۂ ادبیات اردو سے ان کے روابط پیدا ہوئے اور ان کی کتاب "آصفیہ اول" اسی سال ادارہ کی جانب سے شائع ہوئی۔ انھوں نے "مجلہ عثمانیہ" کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ مرحوم کو تحقیقاتی کام سے بڑی

دلچسپی تھی چنانچہ انجمن ترقی اردو کے مخطوطات پر انھوں نے بہت کچھ کام کیا تھا۔ اور مولوی عبدالحق صاحب کے علمی اور تحقیقی کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے رہتے تھے۔ ۱۹۴۱ء میں انتقال کیا۔ ان کی دوسری تصنیفات وتالیفات حسب ذیل ہیں۔

۱) مرحوم نے نصیر الدین ہاشمی صاحب کی کتاب "دکن میں اردو" پر سیر حاصل تبصرہ کیا تھا جو کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے۔

۲) ایکناتھ۔ یہ کتاب مرہٹی کے مشہور شاعر ایکناتھ کے حالات پر لکھی ہے جو شائع ہو گئی ہے۔

۳) ملک عنبر۔ یہ کتاب ملک عنبر کے حالات اور اس زمانہ کی تاریخ سے متعلق ہے۔

مرزا ظفر الحسن صاحب

بی۔اے

مرزا ظفر الحسن صاحب نے ۱۹۳۸ء میں جامعہ عثمانیہ
سے بی۔اے کیا۔ طالبعلمی کے زمانہ میں مقرر، ادیب اور اداکار
کی حیثیت سے ممتاز طلباء میں شمار کئے جاتے تھے۔ انجمن اتحاد
طلبائے جامعہ عثمانیہ کے صدر منتخب ہوئے۔ تعلیم ختم کرنے
کے بعد ریڈیو اسٹیشن حیدرآباد میں ملازم ہوئے اور بچوں کی کانفرنسیں
منعقد کر کے اس محکمہ میں چہل پہل پیدا کر دی۔ ملازمت کے آخری دور
میں پروگرام اسسٹنٹ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ۱۹۴۹ء میں
ملازمت چھوڑ کر پاکستان چلے گئے۔ آج کل پشاور ریڈیو میں کام کر رہے ہیں۔
موصوف کو افسانہ نگاری سے خاص شغف رہا ہے ان کے افسانے
سب رس میں چھپتے رہے اور ان افسانوں کا ایک مجموعہ "محبت کی
چھاؤں" ۱۹۳۹ء ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوا ہے۔

محمد عبدالحفیظ صدیقی صاحب ایل ایل یم

عبدالحفیظ صدیقی صاحب ۱۲ ار اپریل ۱۹۱۸ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ مدرسۂ دارالعلوم سے میٹرکیولیشن اور جامعہ عثمانیہ سے بی۔ ایس سی۔ ایل ایل بی اور ایل ایل ایم کے امتحانات کامیاب کئے۔ چار سال تک وکالت کی۔ اس کے بعد محکمہ لیبر کمشنر حیدرآباد میں مددگار لیبر کمشنر کی خدمت پر دو سال تک کارگذار رہے ۱۹۴۸ء سے مددگار محکمہ معتمدی قانون ہیں۔ اس دوران میں متعدد مرتبہ لا کالج جامعہ عثمانیہ میں قانون بین الاقوامی کا درس دینے کے لئے جامعہ نے جزوقتی لیکچرار کی حیثیت سے ان کی خدمات حاصل کیں۔ صدیقی صاحب کا بیان ہے کہ ان کی زندگی کے سنوارنے میں ان کے چچا پروفیسر عبدالمجید صدیقی صدر شعبہ سیاسیات جامعہ عثمانیہ کا بڑا حصہ ہے

۱۹۴۸ء میں سب رس کی اشاعت کے بعد ان کی تحریک پر سیاسیات اور حالات حاضرہ سے متعلق ایک اور رسالہ سب رس معلومات ادارہ کی طرف سے جاری کیا گیا۔

جس کے یہی اڈیٹر تھے۔

یہ رسالہ دو سال تک جاری رہکر انکی ملازمت کے بعد بند ہوگیا۔

صدیقی صاحب کے مختلف علمی اور ادبی مضامین مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے

ادب ۔ ادبیات کا مستقبل (نشری تقریر) سب رس جنوری ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔

دنیا کا پہلا ادیب ۔ (نشری تقریر) مجلہ طیلسانین ۱۳۴۱ ف میں شائع ہوا۔

تاریخ و تمدن۔ شہنشاہ عالمگیر کی تعلیم و تربیت ۔ شہاب (حیدرآباد) فروری ۱۳۴۵ ف میں شائع ہوا۔

اکبر اعظم	حسن کار (حیدرآباد)	۱۳۴۶ ف
دکن کا جغرافیہ	شہاب (حیدرآباد) تیر	۱۳۴۶ ف
اسلامی تمدن	" " خورداد	۱۳۴۷ ف

سائنس ۔ مبداء حیات ۔ مجلہ طیلسانین، شہاب "

وٹامن، کپول، اور چائے کی کاشت سب رس میں چھپے۔

قانون و سیاست۔ مملکت، حکومت اور اقتدار اعلیٰ کے متعلق اسلامی تصورات، میزان (حیدرآباد) تیر ۱۳۵۴ ف میں شائع ہوا

اسلامی تصور قانون و عدل (میزان) امرداد ۱۳۵۴ ف

ہندوستان میں انگریزی دور کا اسلامی قانون — سب رس جنوری ۱۹۴۵ء

عدل گستری عہد رسالت میں — میزان ماہ امرداد ۱۳۵۴ ف

سلطنت دہلی اور اس کا نظام عدل گستری۔ ریاست جون تمبر ۱۹۴۵ء

رفتار زمانہ (۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۹ء تک) مجلہ طیلسانین ۱۹۳۹ء

ملکی مملکت (نشری تقریر) — سب رس فروری ۱۹۴۲ء

ممالک متحدہ امریکہ کے صدر کا انتخاب سب رس فروری ۱۹۴۲ء

حضرت صدیق اکبرؓ اور ان کا عدل — میزان آبان ۱۳۵۴ ف

عدل گستری عہد فاروقی میں — میزان آبان ۱۳۵۴ ف

سیدالعرب حضرت علیؓ اور ان کا عدل میزان آبان ۱۳۵۴ ف

حضرت علیؓ کے بعض دلچسپ فیصلے سب رس

افسانے۔ گیہوں کا دانہ۔ — آئینہ ادب اسفندار ۱۳۴۶ ف

شادی کی رات — شہاب جولائی ۱۹۳۸ء

سفر میں ساتھ — حسن کار ۱۹۳۵ء

آنسو — سب رس

صدیقی صاحب کی کتابوں کی فہرست حسب ذیل ہیں۔

۱) مقننہ اور قانون سازی) (اردو کتاب گھر حیدرآباد) ۱۹۵۲ء

۲) اسلامی عدل گستری) (ادارہ ادبیات اردو) ۱۹۴۸ء

۳) بلقان (ادارہ ادبیات اردو) ۱۹۴۱ء

۴) رفتار زمانہ (۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۰ء تک) انجمن طیلسانین عثمانیہ کی طرف سے شائع ہوا۔

صدیقی صاحب نے بعض مضامین اور قانون بین الاقوام پر ایک کتاب انگریزی میں بھی لکھی ہے۔

عبدالرحمن خان صاحب بی۔ ایس سی آنرز (لندن)

اے۔ آر۔ سی۔ ایس، ایف۔ پی۔ ایس۔ ایل، ایف۔ آر۔ اے۔ ایس

عبدالرحمان صاحب ۱۵ر اکتوبر ۱۸۸۱ء کو محلہ مختار گنج حیدرآباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم مدرسہ عالیہ نظام کالج (مدراس یونیورسٹی) اور رائل کالج آف سائنس انگلستان (لندن یونیورسٹی) میں ہوئی۔ ابتداء میں نظام کالج میں پروفیسر ہوئے کچھ عرصے کے بعد اسی کالج میں وائس پرنسپل ہوگئے۔ آخر میں عثمانیہ کالج کے پرنسپل بنائے گئے۔ دو مرتبہ یورپ کا سفر کیا۔ پہلی مرتبہ اعلیٰ تعلیم کے لئے گئے اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میدان جنگ واٹرلو (بلجیم)، فلسطین اور مصر کی سیر بھی کر آئے۔ دوسری مرتبہ یونیورسٹی کالج لندن کے جشن صد سالہ میں جامعہ عثمانیہ کے مندوب کی حیثیت سے ۱۹۲۷ء میں شرکت کی۔ خان صاحب کو ریاضی، فلکیات، تاریخ اور سائنس سے گہری دلچسپی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ شعر و ادب کا بھی ستھرا مذاق رکھتے ہیں۔ شعر بھی کہتے ہیں اور ضمیر

تخلص کرتے ہیں۔ ندوۃ المصنفین (دہلی) کے رفیق اعزازی رہے
اب حیدرآباد اکیڈیمی کے صدر ہیں۔ ادارہ ادبیات اردو کے
شروع ہی سے معاون اور مشیر رہے۔ ان کی سرپرستی میں حیدرآباد
میں سائنسی علوم کو اردو میں منتقل کرنے کا کام شروع ہوا۔ جامعہ
عثمانیہ کے اولین تعلیم یافتہ جیسے ڈاکٹر رضی الدین صاحب۔ ڈاکٹر
میر ولی الدین صاحب، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صاحب،
پروفیسر عبدالقادر سروری صاحب، ڈاکٹر میر سیادت علی خاں صاحب
پروفیسر محمد علی خاں صاحب، ڈاکٹر مقبول علی صاحب، پروفیسر
مجید صدیقی صاحب، پروفیسر سعید الدین صاحب، اور ڈاکٹر سید حسین
صاحب وغیرہ انہی کی سرپرستی اور ہمت افزائی کی وجہ سے یورپی
تعلیم اور اعلیٰ ملازمتوں سے مستفید ہوئے۔

ان کی تصنیفات اور تالیفات حسب ذیل ہیں

۱) خلاصہ تحفۃ النظار۔ قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی
خدمات کا تاریخی جائزہ ہے۔ یہ کتاب ندوۃ المصنفین (دہلی)
کی طرف سے شائع ہوئی ہے

۲) مرقع خیال۔ خان صاحب کے فارسی اور اردو کلام کا مجموعہ
۳) مقالات سائنس۔ یہ مقالے لندن اور امریکہ کے رسائل
میں شائع ہوئے ہیں۔

۴) ضمیر۔ خان صاحب نے یہ ڈراما اردو اور انگریزی دونوں

زبانوں میں لکھا ہے۔

۵) مسلم شاہی خاندان اور ان کے سلسلے۔ یہ بہت ہی ضخیم اور تاریخ اسلام کی مستند کتاب ہے جس کو معتد بہ اضافوں کے ساتھ خاں صاحب نے اردو میں منتقل کیا ہے۔ یہ کتاب ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی۔

خان صاحب کی جو تالیفات اور تراجم دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے شائع ہوئے حسب ذیل ہیں۔

۱) نصاب ذیلی ریاضی برائے طبعیات بی۔ ایس سی حصہ اول (تالیف)
۲) " " " حصہ دوم "
۳) طبیعی مناظر (تالیف)
۴) طبیعیات علمی حصہ دوم (آواز و روشنی) ترجمہ
۵) " حصہ سوم (نور) "
۶) طبیعیات حصہ سوم (نور) "
۷) " حصہ چہارم (آواز) "
۸) " حصہ پنجم (مقناطیس) "
۹) " حصہ ششم (برق) "
۱۰) طبیعیات عملی حصہ اول "
۱۱) " حصہ دوم "
۱۲) " حصہ سوم "

سید عبدالرشید قریشی صاحب

ایم۔ اے (عثمانیہ)

سید عبدالرشید قریشی صاحب سید عبدالغفار صاحب تعلقہ دار کے پوتے اور سید عبداللطیف صاحب منصبدار کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ان کا سلسلۂ حسب بالکنڈہ کے پیران طریقت سے ملتا ہے۔ ان کے دو بھائی عزیز قریشی بی۔ اے اور تدیر قریشی اور ایک بہن رحمانی بیگم ایم۔ اے سابق لیکچرار کلیہ اناث جامعہ عثمانیہ ہیں جو رکن الدین حسان ایم اے سابق لیکچرار سیاسیات جامعہ عثمانیہ سے بیاہی گئیں۔ قریشی صاحب جون ۱۹۲۲ء میں شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں مدرسہ عالیہ ہائی اسکول سے میٹرک کامیاب کرکے جامعہ عثمانیہ میں شرکت کی۔ ۱۹۳۸ء میں انٹرمیڈیٹ کامیاب کیا اور اردو میں اول آئے۔ ۱۹۴۰ء میں بی اے کی ڈگری لی اور اس مرتبہ بھی اردو میں اول آئے۔

۱۹۴۲ء میں ایم اے کیا۔ ایم اے میں "جدید اردو افسانہ" پر

مقالہ لکھا۔ تعلیم ختم ہوتے ہی ریڈیو اسٹیشن حیدرآباد میں ملازم ہو گئے
اور چھ سال تک مختلف حیثیتوں سے اس ادارے میں کام کیا
پھر معتمدی تعلیمات حیدرآباد میں منتظمی کی جائداد پر منتقل ہو گئے
اور اب تک اسی محکمہ میں کارگذار ہیں۔ ۱۹۴۴ء میں ان کی
شادی خان بہادر سید احمد خان مرحوم کی بڑی صاحبزادی سے
سے ہوئی جن سے اب چار لڑکیاں اور تین لڑکے ہیں۔

قریشی صاحب جامعی زندگی میں ایک ابھرتے ہوئے ادیب
ایک اچھے مقرر اور اداکار کی حیثیت سے بہت ہردلعزیز تھے
ابھی انٹرمیڈیٹ ہی میں پڑھ رہے تھے کہ ان کی ادبی صلاحیتوں
کو دیکھ کر ڈاکٹر زور اور پروفیسر سروری صاحب نے ان کی حوصلہ افزائی
کی۔ ڈاکٹر صاحب نے کچھ عرصہ تک ان کو اپنے گھر میں رکھا۔
اسی زمانے میں ان کے افسانوں کا ایک مجموعہ "من کی دنیا"
ڈاکٹر صاحب نے اپنے تعارف اور پروفیسر سروری کے مقدمہ
کے ساتھ شائع فرمایا۔ اس مجموعے کی اشاعت کے بعد بھی وہ لکھتے
رہے۔ وہ چاہتے تو اور دو مجموعے شائع کر سکتے۔ ریڈیو کے لئے
بیسیوں ڈرامے، فیچر اور مکالمے لکھے جو نشر ہوتے رہے۔ انہی ریڈیائی ڈراموں کا
ایک مجموعہ "اجنتہ کی آوازیں" مرتب کیا ہے جو ممکن ہے کہ قریب میں شائع ہو جائے
یہ ڈرامے مہاتما گوتم بدھ کی زندگی اور فلسفہ کے مختلف پہلوؤں پر لکھے گئے ہیں، قریشی صاحب
کے دو ڈرامے آجکل میں "ستارے" اور "عورتوں کی عدالت" اسٹیج ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام ایم۔ ایس سی (عثمانیہ)

پی۔ ایچ۔ ڈی (لندن)

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب ۱۹۱۱ء میں محلہ ترپ بازار حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد محمود الحسن صاحب محکمۂ تعمیرات میں مترجم تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے سٹی کالج ہائی اسکول سے ۱۹۲۸ء میں میٹرک پاس کیا۔ ۱۹۳۲ء میں جامعہ عثمانیہ سے بی اے کامیاب کیا۔ اسی سال شعبۂ نباتیات جامعہ عثمانیہ میں جونیر لکچرار پر تقرر ہوا۔ ۱۹۳۷ء میں لیکچرار ہوگئے۔ ۱۹۴۶ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ گئے اور کوئنس یونیورسٹی (بل فاسٹ) سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی۔ یورپ سے واپس ہونے کے بعد ۱۹۴۶ء میں ریڈر بنائے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۳۴ء پروفیسر سعیدالدین کی بہن سے شادی کی۔ اب موصوف کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ انھوں نے نباتات کے مختلف

موضوعات پر اب تک جملہ سولہ تحقیقی مقالے شائع کئے ہیں۔
یورپ جانے سے پہلے ادارہ ادبیات اردو کی خواہش پر
ایک کتاب، زہریلے پودے، لکھی جو ادارہ کی طرف سے
۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی۔

پروفیسر عبدالقادر سروری صاحب

ایم اے، ایل ایل۔ بی

پروفیسر عبدالقادر سروری صاحب ۱۹ اگست ۱۹۰۶ء کو
محلہ سلطان شاہی حیدرآباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔ ان کے
والد حاجی محمد سرور مرحوم ایک نہایت ہی متقی اور با خدا بزرگ
تھے۔ سروری صاحب کے بڑے بھائی محمد جعفر مرحوم مولوی کامل جامعہ
نظامیہ حیدرآباد (دکن) میں عربی کے شیخ الادب رہ چکے ہیں۔ موصوف
نے عربی، فارسی اور اردو کی ابتدائی تعلیم انھیں سے حاصل کی ۔
پہلے مدرسہ منشیداران میں شریک ہوئے۔ پھر دھرم ونت ہائی اسکول،
مدرسہ مفیدالانام اور سٹی ہائی اسکول میں میٹرک تک تعلیم پائی۔
میٹرکیولیشن کے بعد جامعہ عثمانیہ میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۲۲ء میں
انٹرمیڈیٹ ۱۹۲۴ء میں بی اے اور ۱۹۲۶ء میں ایم۔ اے
اور ایل ایل۔ بی کے امتحانات امتیاز کے ساتھ پاس کئے۔ ایم اے
کے بعد انگریزی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انھیں یورپ بھیجے جانے کے

قوی امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن اپنے طبعی میلان اور احباب کے مشوروں نے انھیں اردو ادب کے لئے مخصوص کر لیا۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی ۱۹۲۶ء میں ان کی شادی کر دی گئی مگر ڈیڑھ سال کے اندر ہی رفیقہ حیات کا انتقال ہو گیا۔ ان کی بڑی صاحبزادی زبیدہ کلثوم ایم اے انہی مرحومہ کے بطن سے ہیں جو غلام عمر خاں صاحب ایم۔ اے، متعلم پی۔ ایچ۔ ڈی۔ سے بیاہی گئی ہیں۔ انھوں نے دوسری شادی آٹھ سال بعد ۱۹۳۴ء میں کی۔ مسز سروری ایم۔ اے پاس ہیں اور ان سے اب تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔

پروفیسر سروری صاحب نے ایم اے کرنے کے بعد "دنیائے افسانہ" لکھی۔ یہ اردو میں پہلی کتاب ہے جس میں افسانہ نگاری کے اصول اور بادی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اسی زمانے میں مولوی وحیدالدین سلیم پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ علیل ہوئے اور رخصت لی تو سروری صاحب کو مددگار پروفیسر بنانے کی سفارش کرتے گئے چنانچہ ۱۹۲۷ء میں اس جگہ پر مامور ہوئے۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں جامعہ میسور میں شعبہ اردو کی چیئر قائم ہوئی تو پروفیسر اردو کی خدمت کے لئے سروری صاحب کا انتخاب عمل میں آیا۔ چھ سال تک وہ جامعہ میسور میں صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۹۴۸ء میں جامعہ عثمانیہ نے شعبہ اردو کی صدارت کا پیش کش کی تو وہ پھر اپنی جامعہ واپس آ گئے۔ ۱۹۵۲ء میں ان کو پروفیسری کا گریڈ ملا۔

شعبہ اردو میں تقرر کے بعد "جدید اردو شاعری" لکھی۔ یہ کتاب
حالی سے لے کر موجودہ عہد تک اردو شاعری کے مختلف ادوار اور رجحانات
کی تاریخ ہے جو اب تک تین مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ "دنیائے افسانہ"
کا دوسرا حصہ کردار اور افسانہ بھی اسی زمانہ میں شائع کیا ہے۔ متعدد صاحب
ذوق نوجوانوں کی مدد سے اسی زمانہ میں دنیا کے شاہکار افسانوں کا
سلسلہ شائع کرنا شروع کیا۔ جس کے چار حصے۔ (۱) قدیم افسانے
(۲) چینی اور جاپانی افسانے (۳) انگریزی افسانے (۴) فرانسیسی
افسانے شائع ہوئے۔ اس سلسلہ کے مرتب کہتے ہیں جن حضرات
نے سروری صاحب کی مدد کی ان میں ان کے شاگرد عزیز احمد صاحب
بی اے آنرز (لندن) قابل ذکر ہیں۔ ادارہ ادبیات اردو کا
اسکیم بنانے اور اس کی داغ بیل ڈالنے میں ڈاکٹر زور صاحب کی
مدد کی۔ اور اس ادارہ کے لئے سراج اورنگ آبادی کے کلام کا انتخاب
"سراج سخن" مرتب اور شائع کیا۔ اردو مثنوی —— کا ارتقاء
پروفیسر سروری صاحب کا ایک تحقیقی کام ہے جو ۱۹۴۰ء میں اسی
ادارہ کی طرف سے شائع ہوا۔ ان کے افسانوں کا ایک مجموعہ
"رات کا بھولا اور دیگر افسانے" بھی ۱۹۴۲ء میں ادارہ ادبیات
اردو کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ مجلس اشاعت دکھنی مخطوطات
کے لئے ابن نشاطی کی "پھول بن"، صنعتی کے "قصہ بے نظیر" اور سراج
کے کلام کو "کلیات سراج" کے نام سے مرتب کیا۔ اور اس پر ایک بسیط مقدمہ

لکھا۔ جو اسی مجلس کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔ حیدرآباد کی تعلیمی ترقی کے نام سے ایک تحقیقی اور تنقیدی کتاب لکھ کر شائع کی۔ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ کے اردو مخطوطات کی توضیحی فہرست بھی بڑی محنت سے مرتب کی۔

قیام میسور کے زمانے میں حیدر علی خان والی میسور کے منشی لالہ مہتاب رائے شفقت کی ایک نایاب بیاض سے ان کے اردو اور فارسی کلام کا مجموعہ "مہتاب سخن" کے نام سے مرتب اور شائع کیا۔ اس کے علاوہ میسور کے اولین صوفی بزرگوں میں سے ایک بزرگ شاہ صدرالدین کے رسالے "مراۃ الاسرار" کو بھی مرتب اور شائع کیا۔ ڈاکٹر سدھیشور ورما صدر سابق پروفیسر سنسکرت و لسانیات، پرنس آف ویلز کالج (جموں) کی معیت میں لسانی اصطلاحات کی ایک لغت اردو اصطلاحات کے ساتھ مرتب کی جو میسور سے چھپ رہی ہے۔

۱۹۴۹ء میں مجلس دستور ساز (ہند) کی طلب کی ہوئی ماہرین السنہ کی کانفرنس میں اردو کی نمائندگی کے لئے پروفیسر سروری صاحب کا انتخاب ہوا اور دستور ہند کے اردو ترجمے کے لئے جو کمیٹی حکومت ہند نے بنائی تھی اس کے رکن بھی رہے۔ یہ ترجمہ مکمل ہو گیا ہے اور عنقریب شائع ہو رہا ہے۔

عبدالقیوم خان باقی مرحوم ایم اے (عثمانیہ)

عبدالقیوم خان باقی مرحوم نواب احمد نواز جنگ فانی کے بڑے فرزند تھے۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۸ء کو شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کیا ۱۹۳۷ء میں سررشتہ تعلیمات میں ملازم ہوئے۔ ۱۹۴۲ء میں اردو کی جونیر لیکچراری پر تقرر ہوا۔ ۱۹۴۵ء میں یونیورسٹی کالج سے سٹی کالج پر تبادلہ ہوا۔ دارالعلوم کالج قائم ہوا تو ۱۹۴۶ء میں ان کی جائداد اس کالج میں منتقل ہوئی۔ لیکن جب دارالعلوم کالج چادرگھاٹ کالج میں ضم ہوگیا تو وہ چادرگھاٹ کالج میں آگئے۔ ۱۹۵۲ء میں عبداللہ صدیقی صاحب پروفیسر نظام کالج وظیفہ حسن خدمت پر علحدہ ہوئے تو ان کی جگہ باقی مرحوم کو نظام کالج بھیجا گیا۔ یہاں وہ چند ماہ بھی کام کرنے نہیں پائے تھے کہ دسمبر ۱۹۵۲ء میں قلب کی حرکت بند ہو جانے سے اچانک انتقال کیا۔

مرحوم کو شعر وادب اور فنون لطیفہ سے طبعی لگاؤ تھا۔
شاعری کی تو شاعری کی تمام نئی اور پرانی اصناف میں مہارت
بہم پہونچائی۔ نثر میں تنقیدیں لکھیں، کچھ افسانے اور ڈرامے بھی
لکھے لیکن ان کی طبیعت کا میلان ادھر نہیں تھا۔ علمی اور ادبی
موضوعات پر مضامین لکھے جو مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے
ان کی زندگی میں ان کا کوئی ادبی کام کتابی صورت میں شائع
نہیں ہوسکا۔ ان کو مصوری اور رنگ کاری کا بھی مذاق تھا۔ ان
کی بعض تصویریں کل ہند نمائش مصنوعات حیدرآباد کی آرٹ گیلری
میں پیش کی جاچکی ہیں۔ فن موسیقی کے دلدادہ تھے۔ ستار بجانے
میں کمال پیدا کیا تھا۔

باقی مرحوم کی ادبی تخلیقات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) رسالہ جامعہ میں ان کے نوغنائیے شائع ہوئے جن میں سے
یوسف زلیخا، گراف اسپی، اقبال، اور فانی، خاص طور پر قابل ذکر
ہیں۔ اردو شاعری میں سب سے پہلے حیات مرحوم ہی اس
صنعت سخن کو رائج کیا۔

(۲) تنقید کے اُصول۔ فن تنقید پر ان کی
یہ کتاب اشاعت کے مراحل سے گذر رہی تھی ان کے انتقال
کے باعث یہ کام ادھورا رہ گیا

(۳) فاؤسٹ۔ گوئٹے کے فاوسٹ کا منظوم ترجمہ ہے۔

۴) نظموں اور غزلوں کا مجموعہ

۵) پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے 'اردو شاعری کا جمالیاتی مطالعہ' کے موضوع پر عرصے سے کام کر رہے تھے۔ اس تحقیقاتی کام کے اکثر حصے انھوں نے مکمل کر لئے تھے جن کے مسودے موجود ہیں۔

۶) عبدالقیوم خان باقی مرحوم اور زمین الدین قریشی مرحوم نے ادارہ کی فرمایش پر مشترکہ طور پر مرقع سخن کی تیسری جلد شعرائے عثمانیہ کے نام سے مرتب کی جو ۱۹۳۹ء میں ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوئی۔

عبدالمجید صدیقی ایم۔اے ایل ایل بی

عبدالمجید صدیقی صاحب ۱۳۱۲ ف میں محلہ عیدگاہ قدیم بلدہ حیدرآباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی محمد اسمٰعیل حجّی مشرقی علوم السنہ کے اچھے عالم تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم گھر ہی میں ہوئی۔ اس کے بعد انھیں مدرسہ دارالعلوم میں شریک کیا گیا جو اس زمانہ کی بہترین درسگاہ سمجھا جاتا ہے۔ صدیقی صاحب نے پانچویں جماعت سے منشی عالم تک یہیں تعلیم پائی اور ۱۳۲۶ ف میں منشی عالم کا امتحان پاس کیا۔ اسی زمانہ میں جامعہ عثمانیہ قایم ہوئی تو ۱۳۲۸ ف میں میٹرک پاس کرکے جامعہ میں شرکت لی۔ اور ۱۳۳۰ ف میں انٹرمیڈیٹ ۱۳۳۲ ف میں بی اے اور ۱۳۳۴ ف میں ایم اے اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کیے۔ تاریخ ان کا اختیاری مضمون تھا۔ تاریخ دکن اور تاریخ اسلام سے ان کو خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ انھوں نے پروفیسر جمیل الرحمن مرحوم استاد تاریخ اسلام سے خصوصیت کے ساتھ استفادہ کیا۔

۱۳۳۵ف میں جامعہ عثمانیہ میں شعبہ تاریخ کی لیکچراری پر انکا تقرر ہوا - ۱۹۴۸ء میں جب شعبہ تاریخ اور شعبہ سیاسیات علحیٰدہ کر دیئے گئے تو صدیقی صاحب شعبہ سیاسیات میں منتقل ہو گئے اسلئے انکو تاریخ کیساتھ ساتھ سیاسیات سے بھی گہرا لگاؤ تھا - ۱۹۵۱ء میں پروفیسر ہارون خاں شیروانی صدر شعبہ سیاسیات کی وظیفہ پر علحیٰدگی کے بعد اس شعبہ کی صدارت صدیقی صاحب کے سپرد ہوئی - اب تک وہ شعبہ سیاسیات کے صدر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں - طلبا میں ان کی ہر دلعزیزی کی وجہ سے وقتاً فوقتاً جامعہ کے تنظیم و نسق کے کام بھی ان کے تفویض کئے جاتے رہے ہیں - صدیقی صاحب بھی ان پانچ اصحاب میں سے ہیں جو ادارہ کے موسس ہیں اور جن کی رہبری اور تعاون سے ادارہ ترقی کرتا رہا ہے - ادارے کے شعبہ تاریخ و تمدن کے معتمد ہیں - اور ادارے نے جو بھی تاریخی کتابوں کا غدانت اور کتبات جمع اور شائع کئے ہیں وہ انہی کی مساعی کا نتیجہ ہے -

صدیقی صاحب کے تحقیقی اور تاریخی مضامین مختلف معیاری رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں - انھوں نے تاریخ دکن کی گرانقدر خدمت انجام دی ہے - جس کی بنا پر وہ عہد حاضر میں تاریخ دکن کے سب سے بڑے محقق مانے جاتے ہیں - ان کی تالیفات حسب ذیل ہیں - جو سب کی سب ادارہ ادبیات اردو نے شائع کی ہیں -

۱) تاریخ گولکنڈہ سنہ اشاعت ۱۹۳۹ء گولکنڈہ کی یہ مبسوط تاریخ جو ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہے پانچ حصوں میں تقسیم کی گئی ہے

پہلا حصہ سلطنت کی تاسیس، دوسرا حصہ سلطنت کا استحکام، تیسرا حصہ سلطنت کا عروج، چوتھا حصہ سلطنت کا زوال، پانچواں حصہ گولکنڈے کا تمدن، اس تاریخ کا انگریزی ترجمہ بھی ہوگیا ہے جو قریب میں شائع ہوگا۔

۲) مقدمہ تاریخ دکن۔ سنہ اشاعت ۱۹۴۰ء دکن کے بیس حکمراں، خاندانوں کا شجرہ اور ان کے عروج و زوال کی تاریخ ہے

۳) تاریخ سیاسیات سنہ اشاعت ۱۹۴۴ء۔ یہ علم سیاسیات کا تاریخی جائزہ ہے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن بھی سنہ ۱۹۵۳ء شائع ہوگیا ہے۔

۴) سلطنت بہمنیہ سنہ اشاعت ۱۹۵۴ء۔ تاریخ گولکنڈہ کی طرح یہ سلطنت بہمنیہ کی تاریخ ہے۔

صدیقی صاحب نے دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی خواہش پر مختلف تاریخوں کے ترجمے بھی کئے ہیں۔

عزیز احمد صاحب بی اے آنرز (لندن)

عزیز احمد صاحب ۱۳۲۳ ف شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے
ان کے آبا و اجداد کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔ جامعہ عثمانیہ سے بی اے
پاس کیا۔ ان کی ذہانت اور ادبی مذاق کو دیکھ کر ابتدا ہی میں
پروفیسر عبدالقادر سروری صاحب نے۔ پھر ڈاکٹر زور صاحب نے
اور آخر میں مولوی عبدالحق صاحب نے یکے بعد دیگرے ان کی
سرپرستی کی اور ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ انہی اساتذہ
کی معاونت سے انھیں اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ کا وظیفہ ملا۔ انھوں
نے لندن یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں بی اے آنرز کی ڈگری
لی۔ یورپ سے واپس ہونے کے بعد ۱۳۴۷ ف میں جامعہ عثمانیہ
میں انگریزی کے استاد مقرر ہوئے۔ یہاں کچھ دن کام کرنے
کے بعد شہزادی دُرِشہوار کے پرائیویٹ سکریٹری کے عہدہ پر منتقل ہو گئے
ان کے ساتھ مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی۔ خاص طور پر

کشمیر میں کچھ عرصہ ٹھہرنے کا بھی موقع ملا۔ جس کے باعث وہاں کے مناظر، وہاں کی آب ہوا اور وہاں کی زندگی کے گہرے تاثرات ان کی نظموں اور تحریروں میں دکھائی دینے لگے۔ چنانچہ ان کی نظموں کے مجموعہ "ماہ لقا اور دوسری نظمیں" میں انہی تاثرات و تجربات کی عکاسی ہے۔ یہ مجموعہ ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔ اس ملازمت میں انھیں جاگیردارانہ زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور وہ ان تجربوں کو پاکستان جاکر اپنے ناولوں میں پیش کرنے لگے۔

عزیز احمد صاحب ۱۹۴۹ء میں پاکستان چلے گئے۔ وہاں پہلے انھیں وزارت امور کشمیر میں ایک عہدہ ملا۔ اس کے بعد محکمۂ اطلاعات میں منتقل ہوئے۔ "ماہ لقا اور دوسری نظمیں" کے علاوہ ان کی دوسری ادبی تخلیقات حسب ذیل ہیں۔

۱) ترقی پسند ادب۔ یہ اردو ادب میں ترقی پسند تحریک اور ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات کا جائزہ ہے

۲) فن شاعری۔ ارسطو کی بوطیقا کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب انجمن ترقی اردو (ہند) کی جانب سے شائع ہوی۔

۳) مرمر اور خون (ناول)، (۴) ایسی بلندی ایسی پستی (ناول)
۵) شبنم (ناول)

موصوف نے آخرالذکر تینوں ناول پاکستان میں لکھے۔

نواب عزیز یار جنگ مرحوم

نواب عزیز یار جنگ بہادر مرحوم حیدرآباد کے ایک بڑے معزز ۔ متمول اور علم دوست خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد نواب مشرف جنگ ۔ فیاض شاگرد فیض اپنے زمانہ کے اچھے شاعروں اور مصنفوں میں شمار کئے جاتے تھے ۔ ان کے جد امجد کی درگاہ پونہ کے قریب جنیر تعلقہ میں واقع ہے جس کے سلسلے میں وہاں ان کے خاندان کی جاگیری معاش بھی ہے ۔ عزیز ۱۲۹۰ھ میں پیدا ہوئے ۔ اس وقت میر شمس الدین فیض کو انتقال کئے ہوئے چند ہی سال ہوئے تھے اور ان کے تلامذہ عصر، مزاج، باقی، فیاض، رمز اور پاس نے ان کے بعد حیدرآباد کے مشاعروں کی رونق کو قائم رکھا تھا - یہی وہ ہستیاں تھیں جن میں سے اکثروں نے عزیز کی نشو ونما اور علمی اور ادبی

تربیت میں بھی کافی حصہ لیا۔ ان کے والد نواب مشرف جنگ فیاض نے اپنے استاد کا دیوان مرتب کیا تھا اور اپنی وفات تک ان کی یادگار میں ایک شاندار سالانہ مشاعرہ کر کے " گلدستہ فیض" شائع کیا کرتے تھے۔ جس وقت نواب مشرف جنگ کا انتقال ہوا عزیز کی عمر اڑتیس سال کی تھی۔ ان کو اپنے والد کے مذاق سخن اور ان کی شعر و سخن کی محفلوں سے استفادہ کرنے کا کافی موقع ملا۔ حکیم مظفر الدین خاں مزاج (متوفی ۱۳۱۲ھ) فیض کے صاحب دیوان شاگرد تھے عزیز کی ان سے قریبی رشتہ داری تھی۔ ابتدا میں عزیز نے انھیں کو اپنی کلام دکھایا۔ احمد علی جو اپنے زمانے کے جید عالم اور بلند مرتبہ شاعر تھے۔ عزیز پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے۔ جب انھوں نے اپنے معاصرین اور خاص کر تلامذہ فیض کا ایک تذکرہ مرتب کیا تو باوصف عزیز کی کمسنی کے ان کا حال اور نمونہ کلام بھی درج کیا۔ اس طرح اس دور کے اکثر اساتذہ نے عزیز کے ذوق سخن کی تربیت کی۔

عزیز ایک خوش حال خاندان میں پیدا ہوئے اور خود بھی ایک ذی مرتبہ عہدہ دار کی حیثیت سے زندگی کا آغاز کیا ان کے والد علاقہ صرف خاص مبارک میں مددگار معتمد تھے اور ان کے خالہ زاد بھائی نواب آصف نواز الملک جو بعد میں ان کے خسر بھی ہوئے صرف خاص مبارک میں معتمد تھے۔ عزیز کا تقرر

ابتداً ناظم عطیات علاقہ صرف خاص کی حیثیت سے ہوا بعد میں عرصہ تک اول تعلقداری کے عہدہ پر فائز رہ کر وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ ان خدمات کے علاوہ مجلس وضع قوانین اور مجلس آرائش بلدہ کے رکن اور عہدداران مال کے ممتحن بھی رہے۔ ۱۳۱۶ھ اعلیحضرت غفران مکان نواب محبوب علی خاں نے اپنی سالگرہ کی تقریب میں آبائی اعزاز کے ساتھ عزیز یار جنگ کے خطاب سے سرفراز فرمایا!

داغ دہلوی کی ہمسائیگی اور فیض صحبت نے بھی عزیز کی زبان اور شاعری پر گہرا اثر ڈالا۔ حیدرآباد میں داغ کا قیام کئی سال تک محلہ ترپ بازار اس کوٹھی میں رہا جو عزیز کی قیام گاہ سے بالکل ملحق تھی۔ اس قربت سے فائدہ اٹھا کر داغ کو کلام دکھانا شروع کیا۔ اوقات دفتر کے بعد ان کا زیادہ وقت داغ ہی کے ساتھ گزرتا۔ انہی صحبتوں کی وجہ سے ان کو استفادہ کا کافی موقع ملا۔ حیدرآباد میں داغ کے تلامذہ میں عزیز بہت ممتاز سمجھے جاتے تھے۔

عزیز کی شاعری پر تبصرے۔ کلام کے نمونے اور حالات مختلف رسالوں اور کتابوں میں ملتے ہیں۔ زمانہ (کانپور) رہنمائے تعلیم (لاہور) مجلہ مکتبہ (حیدرآباد) "حیات سخن" (حیدرآباد) میں عزیز کی شاعری پر تبصرے شائع ہوئے۔

تاریخ النوائط (از عزیز جنگ مرحوم) دکن میں اردو (از نصیر الدین ہاشمی) اور جدید اردو شاعری (از پروفیسر عبدالقادر سروری) میں عزیز کا تذکرہ اور ان کی شاعری پر تبصرہ ہے۔ رہنمائے تعلیم کے جوبلی نمبر بابتہ ۱۹۳۱ء میں داغ کے ایک شاگرد نوح ناروی (رئیس نارہ ضلع الہ آباد) نے عزیز کی شاعری پر جو لبیط مضمون بیس صفحات پر شائع کیا ہے اس میں عزیز کے ڈیڑھ سو سے زیادہ اشعار پیش کئے ہیں۔

عزیز کا پہلا دیوان آج سے اٹھائیس سال قبل شائع ہوا تھا جو اب بہت کمیاب ہے۔ دوسرا دیوان ۱۳۳۹ھ میں چھپا۔ ۱۳۱۷ھ میں ان کا ایک دلچسپ واسوخت "داغ شباب" شائع ہوا تھا۔ یہ ایک ہزار اشعار کی طویل اور دلچسپ نظم ہے۔ مجلہ مکتبہ بابت اکتوبر ۱۹۲۸ء میں "نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز" کے عنوان سے جو تفصیلی مضمون شائع ہوا تھا اس میں اس واسوخت کا انتخاب بھی دیا گیا تھا۔ ان کے کلام کا سرمایہ جو مطبوعہ اور غیر مطبوعہ صورت میں موجود ہے تقریباً دس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ جس میں تقریباً آٹھ ہزار شعر غزل کے ہیں۔ ان کے کلام سے قریب قریب ایک ہزار اشعار کا مختصر انتخاب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے ایک مبسوط مقدمہ کے ساتھ "شاعر سخن" کے نام سے ۱۹۲۵ء میں ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع

کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے "مرقع سخن" جلد اول میں بھی "نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیزؔ" کے عنوان سے ایک بسیط تذکرہ اور تبصرہ شائع کیا ہے۔ عزیزؔ تنقید کا مذاق بھی رکھتے تھے۔ انھوں نے 'باقیات ناجی' پر ایک تنقیدی تبصرہ لکھا تھا جو "نقد سخن" کے نام سے ۱۳۵۷ف میں ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔

عزیزؔ مرحوم ادارہ کے بہت بڑے معاون اور موید تھے۔ مرقع سخن کے دو تذکرے انہی کی تحریک اور رقمی تائید سے ادارے نے شائع کئے۔ دکن کے شعرا کے منتخبات سخن کا سلسلہ عزیز ہی کی تحریک پر شروع ہوا چنانچہ فیضؔ، مائلؔ، کیفیؔ، ایمانؔ اور رمزؔ وغیرہ جیسے آٹھ شاعروں کا منتخبہ کلام اسی سلسلہ میں شائع ہوا۔

مرزا عصمت اللہ بیگ مرحوم عصمت

مرزا عصمت اللہ بیگ مرحوم بیگم خورد ادسنہ ۱۳۰۶ ف
کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم ان کے چچا زاد بھائی
مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم کی سرپرستی میں بھوپال میں ہوی۔
سترہ سال کی عمر میں حیدر آباد آئے اور چادر گھاٹ ہائی اسکول
میں شریک ہوئے۔ وہیں سے میٹرک پاس کیا اور پھر تعلیم چھوڑی
ابتداء میں محکمۂ تعمیرات حیدر آباد میں بہ حیثیت اوورسیر ملازم
ہوئے۔ سر راس مسعود مرحوم سابق ناظم تعلیمات حیدر آباد نے ان
کو سروے جنرل سرکار انگریزی کے دفتر کلکتہ کو بلاک سازی کا کام
سیکھنے کے لئے بھیجا۔ وہاں سے واپسی پر دار الطبع جامعہ عثمانیہ کے
صیغہ بلاک سازی میں ترقی کے ساتھ مامور کئے گئے ہیں۔

بھوپال میں آغا حسین اصغر بیگ کی صاحبزادی سے شادی
کی جن کے بطن سے اب پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔

۱۹۵۲ء میں وظیفہ حسن خدمت پر علیحدہ ہوئے۔ عربی اور فارسی پر ان کو کافی عبور تھا۔ علم نجوم بھی خاص طور پر سیکھا تھا۔ ادبی دنیا میں مزاحیہ نگار کی حیثیت سے مشہور تھے۔ ان کی نثر اور نظم دونوں کا یہی رنگ تھا۔

عصمت اللہ بیگ مرحوم نے جنگ فنڈ حکومت حیدرآباد کی اعزازی کمیٹی کی طرف سے فوجیوں کی دلچسپی کے لئے اگست ۱۹۴۲ء میں ایک ماہوار رسالہ "جیت" نکالا جو چار سال تک ان کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ آخری زمانہ میں ایک مزاحیہ رسالہ "تماشا" نکالنے لگے تھے۔ جو اب ان کے صاحبزادے صبغۃ اللہ بیگ صاحب کی ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔ ادارہ ادبیات اردو کے بچوں کے سبرس کے لئے مزاحیہ مضامین لکھتے اور تصویریں بناتے تھے مرحوم کی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

(۱) مولانا روم کی کہانیاں (۲) چچا سعید کی کہانیاں (۳) آسمان کے بھید (۴) پرندوں کی دنیا حصہ اول و حصہ دوم (۵) ہمارا ہندوستان (۶) ملا نصر الدین (۷) دادا لال بھجکڑ (۸) راجہ بیربل (۹) ایسپ کی کہانیاں (۱۰) گدھے کی عقلمندی (۱۱) کاک ٹیل۔ یہ مرزا صاحب کے نظموں کا مجموعہ ہے (۱۲) تعلیم بالغان کے سلسلے میں ادارے کے لئے "رفیق اور معاون" عام معلومات کی ایک کتاب لکھی جو ادارہ کی طرف سے ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔

عظیم النساء بیگم صاحبہ

عظیم النساء بیگم صاحبہ ۱۳۲۳ف اور ۱۳۲۴ف کے درمیانی زمانہ میں نلگنڈہ (ورنگل) میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد موضع نگرام ضلع لکھنؤ کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حیدرآباد آکر نلگنڈہ میں بس گئے تھے اور وکالت کرتے تھے۔ ان کی والدہ ہندوستان کے ایک خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں اور اپنے تعلیم یافتہ باپ کی تعلیم یافتہ بیٹی تھیں۔ اسلام پر ایمان رکھتی تھیں اور صوم و صلوٰۃ کی سخت پابند تھیں۔

۱۲ رمئی ۱۹۵۴ء م ۱۰ رمضان ۱۳۷۳ھ کو جمعرات کے روز عین افطار کے وقت تین دن سخت بخار میں مبتلا انتہائی سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنی جان جان آفرین کے حوالے کی۔ عظیم النساء بیگم کی والدہ کو مطالعہ کتب کا بہت شوق تھا اور وہ بہت سی کتابیں اپنے شوق سے پڑھ چکی تھیں۔ اپنی بیٹی کی تعلیم و تربیت کا شروع ہی سے خاص خیال تھا۔

اپنے والد کے انتقال کے وقت وہ بہت کمسن تھیں ۔ اس لئے والدہ ہی نے ان کی تعلیم و تربیت کی ۔ میٹرک کے امتحان میں ۲ م رہیں، مڈل، ٹریننگ، بمبئی کے ڈرائینگ کے امتحانات اور تلنگی زباندانی کی سندیں حاصل کیں ۔ مدرسہ میں معلمہ کی خدمت پر ان کا تقرر ہوا اور اب تک وہ ملازمت کر رہی ہیں ۔

عظیم النساء صاحبہ کو تحتانی جماعتوں ہی سے مطالعہ کا شوق تھا ۔ یہ شوق رفتہ رفتہ عشق بن گیا ۔ انھوں نے اب تک سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ۔ اسی مطالعہ نے انھیں لکھنے کا شوق دلایا ۔ وہ اردو کے علاوہ تلنگی زبان میں بھی لکھتی ہیں ۔ ان کی ادبی تخلیقات کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

۱) ناول ۔

۱) صابرہ (۲) صوفیہ (۳) پرستاران سیرت (۴) ویرانتی (۵) گوہر (۶) شکیلہ (۷) رانی (۸) مقابلہ ۔ (۹) آنکھیں (۱۰) ادیب (۱۱) پیکر تخیل (۱۲) تہمینہ (۱۳) لیلیٰ (۱۴) اعظم (۱۵) رشک ارم ۔

ان ناولوں میں سے لیلیٰ، قاضی عبدالغفار صاحب کے مقدمہ کے ساتھ ادارہ ادبیات اردو سے شائع ہوئی ہے ۔

۲) افسانوں کے مجموعے :۔

(۱) تبسم صبح (اٹھ افسانے) اعظم اسٹیم پریس سے

(۲) بزمِ خیال (بارہ افسانے) (۳) شمعِ تصویر (چھے افسانے) (۴) عالمِ خیال (چار افسانے) (۵) گلدستۂ خیال (پانچ افسانے) (۶) بحرِ خیال (تین افسانے) (۷) اوراقِ زندگی (پندرہ افسانے) (۸) قربانی (چھے افسانے) (۹) درگی (انیس افسانے) (۱۰) نرالی شادی (چار افسانے) (۱۱) پہلا مجرم (تین افسانے) (۱۲) انتقام (چار افسانے)۔

(۳) افسانے بزبان تلنگی :-

۱) نکشنزم (تین افسانے) (۲) ترپ تی (ایک افسانہ)

(۴) ڈرامے :-

(۱) نیرجا (۲) ڈاکٹر (۳) شوہر پرست (۴) شکست کی فتح (۵) درگی (۶) شکیلہ (۷) نردوش (۸) راکھی۔

علی اختر صاحب

علی اختر صاحب کے اجداد کا تعلق شمالی ہند سے تھا۔ ان کے والد کاظم علی باغ، داغ دہلوی کے خاص تلامذہ سے تھے، آج سے کوئی تیس پینتیس سال پہلے کے مشاعروں میں جن میں وحید الدین سلیم، علی حیدر نظم طباطبائی اور خلیفہ عبدالحکیم شریک ہوتے تھے، باغ اپنا کلام اپنے مخصوص انداز میں سناتے تھے۔ علی اختر صاحب حیدرآباد میں پیدا ہوئے اور والد کے شعری ماحول کے اثر سے کم عمری ہی سے شعر کہنے لگے اور باپ کی زندگی ہی میں ایک اچھے شاعر کی حیثیت سے شہرت پا گئے، لیکن پڑھنے کے انداز میں وہ طمطراق نہ تھا جو ان کے والد کے یہاں تھا۔ محکمۂ معتمدی تعمیرات حیدرآباد میں ملازم ہوئے اور وہیں سے وظیفۂ حسن خدمت پر علیحدہ ہوئے۔ نواب غوث یار جنگ مرحوم سابق معتمد تعمیرات نے ان کی بہت قدر افزائی کی۔ نظر حیدرآبادی

ان کے فرزند ہیں جو حیدرآباد کے نوجوان شعرا میں ۱۹۴۷ء سے قبل بہت مقبول تھے۔ پولیس ایکشن کے بعد اپنے بیٹے کے ساتھ یہ بھی پاکستان چلے گئے۔ لیکن وہاں بھی مرفہ الحال نہیں ہیں

علی اختر صاحب نے قدیم رنگ تغزل کو چھوڑ کر نظم نگاری پر توجہ دی اور نئے ادبی رجحانات کا ساتھ دیا۔ انھوں نے اپنی فکر رسا اور قدرت بیان کی وجہ سے نظم نگار شعراء میں امتیاز حاصل کیا۔ نیاز فتحپوری نے اپنے رسالہ نگار میں ان کی شاعری پر بہت حوصلہ افزا تبصرہ کیا۔ موصوف ابتدا ہی سے ادارہ کے ہمدرد اور معاون رہے۔ ان کی نظمیں "سب رس" میں شائع ہوتی رہیں۔ ادارہ ہی کی طرف سے ۱۹۴۱ء میں ان کی غزلوں اور چند نظموں کا پہلا مجموعہ "انوار" کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے ایک اور مجموعہ "اسرار" کے نام سے شائع کیا۔

علی بن حبیب حضرمی صاحب

علی بن حبیب نام، حضرمی تخلص ۶ر نومبر ۱۹۰۶ء کو نرمل میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ فوقانیہ نرمل میں تعلیم پائی، ان کی حاضر جوابی کو دیکھ کر ان کے اساتذہ وکالت کی تعلیم پانے کا مشورہ دیتے تھے۔ لیکن ناسازگار حالات نے انھیں اعلیٰ تعلیم سے محروم کر دیا۔ اور انھوں نے مجبوراً محکمہ تعلیمات میں ملازمت اختیار کر لی۔ تربیت جسمانی کی ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد اس فن میں "ہادیٔ ... ورزش" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس سے آج بھی سرکاری مدارس میں استفادہ کیا جاتا ہے۔ اسی فن پر ایک اور کتاب "نظام ورزش" لکھی جو زیر طبع ہے۔ اور توقع ہے کہ نظامت تعلیمات حکومت حیدرآباد اس کتاب کو مدارس کے لئے منظور کرے گی۔ انھوں نے ایک ڈراما "سچ کا جادو" بھی لکھا ہے جس کو ادارہ ادبیات اردو نے شائع کیا اور وہ علمی دنیا میں روشناس ہوئے۔

حضرمی صاحب نثر نگار ہی نہیں شاعر بھی ہیں۔ ان کے کلام کا مجموعہ زیر طبع ہے۔

سید علی منظور صاحب

سید علی منظور صاحب ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ م ۱۹ ستمبر ۱۸۹۶ء کو محلہ چنچل گوڑہ حیدرآباد (دکن) میں پیدا ہوئے مدرسۂ دارالعلوم سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مرہٹی، انگریزی عربی اور فارسی زبانیں سیکھیں۔ عثمانیہ دواخانہ کے دفتر میں اہل کار تھے۔ اب وظیفہ ہوگیا ہے۔ علی منظور صاحب نے "مصحفی وانشا" کا تذکرہ مرتب کیا ہے۔ اپنے سوانح حیات "آپ بیتی" کے نام سے مرتب کئے ہیں۔ ان کے یہاں غزلوں اور قصیدوں کا وافر ذخیرہ ہے جو ابھی شائع نہیں ہو سکا ہے۔ انھوں نے متعدد مثنویاں بھی لکھی ہیں جن میں سے ایک مثنوی بارہ سو اشعار پر مشتمل ہے۔ رباعیات بھی دو سو سے زیادہ کہی ہیں۔ ان کے کلام کے اب تک تین مجموعے "نمود زندگی" "ترجمان زندگی" اور "کلام منظور" شائع ہوئے ہیں جن میں اول الذکر دو مجموعے نمود زندگی ۱۹۴۰ء میں اور "ترجمان زندگی" ۱۹۵۴ء میں ادارے کی طرف سے شائع ہوئے ہیں۔

فیض محمد صدیقی صاحب بی اے ایم ایڈ

فیض محمد صدیقی صاحب، حکیم محمد حسین صاحب منصبدار کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ۱۹۰۸ء میں کوٹلہ عالیجاہ حیدرآباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔ صغر سنی ہی میں والدہ کا انتقال ہوگیا تو ان کی بیوہ پھوپھی آمنہ بیگم مرحومہ نے انھیں گود لے لیا۔ چنانچہ صدیقی صاحب کی پوری تعلیم و تربیت انہی کی سرپرستی میں ہوئی۔ اس خصوص میں ان کے والد کی خواہش کے باوجود ان کی پھوپی اپنے بھائی کی مداخلت کو گوارا نہیں کرتی تھیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم مدرسہ مفید الانام مسٹی ہائی اسکول اور دارالعلوم میں ہوئی۔ ۱۹۲۴ء میں دارالعلوم سے میٹرک کامیاب کیا اور ریاضی میں امتیازی کامیابی حاصل کی۔ جامعہ عثمانیہ میں شرکت لی اور ۱۹۲۶ء میں انٹرمیڈیٹ اور ۱۹۲۸ء میں بی اے کامیاب کیا۔ ۱۹۳۹ف میں سررشتہ تعلیمات میں ملازم ہوئے۔ سررشتہ کی طرف سے ۱۳۴۱ف میں ڈپ ایڈ کی تعلیم حاصل کی اور

زسٹ کلاس فرسٹ کامیاب ہوے۔ ۱۳۴۹ ف میں ایم۔ ایڈ۔ کی سند حاصل کی۔ اب تک انھوں نے مدرسہ عالیہ، نامپلی ہائی اسکول اور دارالعلوم میں ملازمت کی ہے۔ ۱۳۵۴ف سے ۱۳۵۷ف تک مددگار معتمد رسد رہے۔ ۱۳۵۷ف میں پرسنل مددگار صدر المہام تعلیمات کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۳۴۲ف میں اپنے چچا محمد عثمان صاحب کی صاحبزادی سے شادی کی۔ اب ان کے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک لڑکی کی شادی ہو گئی ہے۔ صدیقی صاحب کے خاندان کے اکثر افراد محکمہ تعلیمات کے ملازم رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی چھوٹی بہن غوثیہ بیگم صاحبہ منشی فاضل، مولوی فاضل، اردو فاضل، اب نامپلی ہائی اسکول میں اردو کی ٹیچر ہیں۔ فیض محمد صاحب کو فن ہدایت کاری میں بڑی مہارت حاصل ہے چنانچہ نامپلی ہائی اسکول کے ایک طالبعلم حامد علیخاں نے اُن ہی کی تربیت سے اداکاری میں کمال پیدا کیا اور اب فلمی دنیا میں "اجیت" کے نام سے مشہور رہے۔

صدیقی صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے مختلف طریقوں سے ادارہ ادبیات اردو کی خدمت انجام دی ہے۔ وہ ابتدا سے ادارہ کے شعبہ انسائیکلوپیڈیا کے معتمد رہے ہیں۔ ادارہ سے ان کی حسب ذیل کتابیں شایع ہوی ہیں۔

۱) عماد الملک (۲) سالار جنگ۔ یہ دونوں کتابیں سوانح حیات میں

(۳) پانی کی کہانی (۴) آبدوز اور سرنگ۔ یہ دونوں کتابیں سائینس سے متعلق ہیں۔

ان کی جو کتابیں ادارہ کے باہر شائع ہوئی ہیں حسب ذیل ہیں۔

غیر درسی کتب (۱) کاروان علم (یہ اردو زبان کی پہلی بک آف نالج ہے (۲) بچوں کے گاندھی جی (۳) مسز سمپسن (یہ ایڈورڈ ہشتم اور اور مسز سمپسن کی حیات معاشقہ ہے) (۴) ابن سعود۔

درسی کتب :۔

(۱) مصلحان تعلیم (جو بی۔ ٹی کے نصاب میں شامل ہے) (۲) نیا حساب جلد اول، دوم، سوم، چہارم،

(۳) رسالہ حساب (چار حصے) مطالعہ قدرت (چار حصے) (۵) جنرل سائنس (تین حصے) (۶) سائنس کی پہلی (۷) دکن کی تاریخ۔ (۸) رسالہ حفظ صحت (۹) مطالعہ قدرت (نہم جماعت کے لئے) (۱۰) جبر و مقابلہ (وسطانیہ کے لئے) (۱۱) علم ہندسہ (وسطانیہ کے لئے) (۱۲) جدید نصاب طبیعات (میٹرک) (۱۳) جدید نصاب کیمیا (میٹرک) (۱۴) ابتدائی حیاتیات (میٹرک) (۱۵) حساب (میٹرک) (۱۶) الجبرا (میٹرک) (۱۷) جغرافیہ (تین حصے) (وسطانیہ کے لئے)

ان کتابوں کے علاوہ جن کتابوں کے مسودے تیار ہیں لیکن

طبع نہیں ہو سکے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) آغا خان اعظم (۲) مختصر اردو انسائیکلو پیڈیا (۳) مجلس اقوام متحدہ (۴) ذہانتی پیمائشات (۵) پہلا پنجسالہ منصوبہ (۶) لعنت - جس کے بارے میں انکا خیال ہے کہ انکا کارنامہ حیات ہے صدیقی صاحب کے کئی ریڈائی ڈرامے نشرگاہ حیدرآباد سے نشر ہو چکے ہیں۔ ان کو فلمی صنعت سے بھی دلچسپی ہے اور آج کل فلمی کہانیاں لکھ رہے ہیں۔

سید کلیم اللہ حسینی صاحب

سید کلیم اللہ حسینی صاحب شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ سید شاہ نعمت اللہ ولیؒ اُن کے جد اعلیٰ ہیں۔ بیدر کے شاہ خلیل اللہ حسینی بت شکنؒ انہی کے اجداد سے ہیں۔ بیڑم کی درگاہ کی سجادگی بھی موصوف کے خاندان میں چلی آرہی ہے۔ کلیم اللہ حسینی صاحب نے جامعہ نظامیہ میں تعلیم پائی۔ پنجاب سے منشی فاضل اور مولوی عالم کی اسناد حاصل کیں۔ شیخ القراء قاری روشن علی صاحب سے فن قراءت کی سند لی۔ سررشتۂ تعلیمات حیدرآباد میں ملازمت کی۔ وظیفہ حسن خدمت پر علحدہ ہونے کے بعد بجواڑہ چلے گئے اور وہاں کی جامع مسجد میں مدرسۂ دینیات قائم کیا جس میں لڑکوں اور لڑکیوں کو دینی تعلیم کے علاوہ امور خانہ داری کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ موصوف جامع مسجد بجواڑہ میں خطیب کی خدمت بھی انجام دے رہے ہیں۔

کلیم اللہ حسینی صاحب نے حیدرآباد میں ادارۂ تربیہ قائم کیا تھا۔

جس میں وہ جامعۂ نظامیہ کے نصاب اور پنجاب کے نصاب کی تعلیم دیتے تھے۔ موصوف نے ادارہ ادبیات، اردو کے امتحانات اردو عالم اور اردو فاضل بھی پاس کئے تھے اور اپنے ادارہ میں ان امتحانات کے لئے بھی امیدواروں کو تیار کرتے تھے۔ انھوں نے رسالہ "تجوید" مرتب اور شائع کیا۔ پارہ عم کی تفسیر "تفسیر کلیمی" کے نام سے لکھی۔ ادارے کے لئے ایک رسالہ ۱۹۴۲ء میں "بلاغت" اور ایک رسالہ ۱۹۴۳ء میں "عروض" پر لکھا۔ یہ دونوں رسالے ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہو گئے ہیں اور مختلف امتحانوں کے نصاب میں شامل رہے ہیں۔

لطیف النساء بیگم صاحبہ ایم۔ اے (عثمانیہ)

لطیف النساء بیگم صاحبہ سید منظفر الدین صاحب سابق مہتمم پولس کی صاحبزادی اور سید یوسف علی صاحب لیکچرار سٹی کالج حیدرآباد (دکن) کی شریک حیات ہیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم محبوبیہ گرلز اسکول میں ہوی۔ جامعہ عثمانیہ سے بی اے اور ایم۔ اے کامیاب کیا۔ ۱۹۴۰ء میں مدرسۂ تعلیم المعلمات میں معلمہ تھیں۔ محبوبیہ گرلز اسکول میں بھی کام کیا ان کو نظم ونثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل ہے۔ عموماً بچوں کے لئے نظمیں لکھتی ہیں۔ بچوں کے سب رس کی وجہ سے پہلی مرتبہ بچوں کی شاعرہ کی حیثیت سے روشناس ہویں۔ تذکرہ "خواتین دکن" مولفہ مولوی نصیر الدین ہاشمی میں ان کے کلام کا نمونہ شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ "پیمانہ" مرتبہ اکبر وفا قانی و علی افسر میں بھی ان کی نظموں کے نمونے شائع ہوئے ہیں۔ ادارہ کی کتاب "نذر ولی" میں ان کا طویل مقالہ "ولی کا تخیل" شامل ہے۔ اقبال پر "اقبال اور اس کی شاعری" کے عنوان

سے ایک تنقیدی مضمون لکھا ہے۔ ایم۔ اے میں" اردو شاعری میں تصوف"
کے موضوع پر مقالہ لکھا۔ ان کی ایک کتاب" من کی بپتا" ۱۹۳۹ء
میں ادارہ ادبیات اردو سے شائع ہوئی ہے۔ جس میں موصوف نے متوسط
طبقہ کی خواتین کی معاشرتی اور اخلاقی کمزوریوں کو بے نقاب کر کے
زندگی کی تلخیوں سے کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے طریقے سمجھائے
ہیں۔ انجمن ترقی اردو حیدرآباد کی طرف سے انکی نظموں کا مجموعہ
" بچوں کی نظمیں" شائع ہوا ہے۔

ادارے کے شعبہ نسواں کے جملہ سالانہ اور غیر معمولی جلسوں میں
ان کی تقریریں ہوتی رہیں اور انھوں نے بحیثیت مقررہ کے شہرت
پائی۔

پروفیسر نواب سید محمد علی خاں صاحب

بی ۔ اے ۔ آنرز (لندن)

پروفیسر نواب سید محمد علی خان صاحب ۷ ار اکتوبر ۱۹۰۵ء
کو شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد نواب میر ابرالدین علی خان
مرحوم جاگیردار تھے ۱۹۴۴ء میں انتقال کیا ۔ محمد علی خاں صاحب کی
ابتدائی تعلیم آل سینٹس اسکول میں ہوئی ۔ چادر گھاٹ ہائی اسکول سے
۱۹۲۳ء میں میٹرک کامیاب کیا ۔ ۱۹۲۵ء میں نظام کالج سے ایف اے
کا امتحان پاس کیا ۔ ۱۹۲۷ء میں جامعہ عثمانیہ سے بی ۔ یس سی کی ڈگری
لی ۔ بی ۔ یس سی میں مضمون اختیاری میں اول آئے ۔ اسی امتیاز کی بنا پر
ان کو مصری اسکالر شپ ملا لیکن وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے ڈاکٹر زور صاحب
کے ساتھ انگلستان چلے گئے ۔ وہاں ان ہی کے ساتھ رہے ۔ اور انہی کے ساتھ
واپس ہوئے ۔ لندن یونیورسٹی سے ۱۹۲۹ء میں بی ۔ یس سی آنرز کامیاب
کیا ۔ ۱۹۳۱ء میں لائل سوسائٹی کے ریسرچ پروفیسر پولے کے ساتھ "طالیف نقالی"
کے فن پر تحقیقی کام کیا ۔ "لزوجیت" پر بھی تحقیقاتی مقالہ لکھا ۔ وطن کو

لوٹنے کے بعد اسی سال ۱۹۳۱ء مددگار پروفیسر طبعیات جامعہ عثمانیہ کی جگہ پر تقرر ہوا۔ چھے سال بعد ۱۹۳۷ء میں نظام کالج میں شعبہ طبیعیات کی پروفیسری پر ترقی پائی۔ ۱۹۵۲ء میں سیف آباد انٹرمیڈیٹ کالج کے پرنسپل بنائے گئے۔ اور وہ اب تک اسی عہدہ پر کارگذار ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں جس سال ان کا تقرر ہوا اسی سال نواب رحیم یار جنگ مرحوم ناظم عطیات حکومت حیدرآباد کی صاحبزادی سے ان کی شادی ہوی جن کے بطن سے اب دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔

نواب محمد علی خاں صاحب نے نظام کالج میں سولہ سال ملازمت کی۔ ان کو اب بھی اس کالج سے محبت ہے۔ ان کا بیان ہے کہ نظام کالج کی زندگی بھلائے نہیں بھولتی۔ وہ فٹ بال کے مشاق کھلاڑی رہے ہیں۔ نظام کالج میں فسٹ الیون کے کھلاڑی تھے۔ اب تک بھی ان کو اس کھیل سے دلچسپی ہے۔ نواب صاحب جناب عبدالرحمن خاں صاحب سابق صدر عثمانیہ کالج کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ ان کے شفقت آمیز برتاؤ کا وہ اب تک بھی احساس ممنونیت کے ساتھ ذکر کرتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر زور صاحب کے یورپ کے ساتھی اور ان کے دوستوں اور ادارے کے معاونوں میں سے ہیں۔ علوم سائنس پر موصوف کی اردو میں دو کتابیں شائع ہوی ہیں۔ ایک کتاب "خواص مادہ" ہے دوسری کتاب "طبیعاتی کائنات" ہے جو ادارۂ ادبیات اردو سے ۱۹۴۳ء میں شائع ہوی ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ ان کے مختلف تحقیقاتی مضامین سائنس کے رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں

صاحبزادہ میر محمد علی میکش مرحوم

صاحبزادہ میر محمد علی خاں میکش مرحوم دکن کے خانوادۂ شاہی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد صاحبزادہ میر جہاندار علی خاں مرحوم، حضرت سردار بیگ صاحبؒ کے سلسلہ میں مرید تھے۔ اسی مناسبت سے ان ہی کی درگاہ کے قریب ہی مکان لے کر مقیم ہوگئے تھے۔ میکش نے ۱۹۲۵ء میں میٹرک پاس کیا۔ اس کے بعد ہی شاعر کی حیثیت سے شہرت حاصل کرنی شروع کی۔ اس شوق کے پیچھے اتنا وقت ضائع کیا کہ انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں بارہا ناکام ہوئے۔ ڈاکٹر زور صاحب سے تعارف کے بعد انھوں نے میکش مرحوم کو کام پر لگا یا اور ادارہ کی طرف سے ایک رسالہ جاری کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ سب رس انہی کی وجہ سے جنوری ۱۹۳۸ء سے نکلنا شروع ہوا اور وہ کئی سال تک اس ماہ نامے کے مدیر رہے۔ اسی زمانے میں ان کی نظموں کا پہلا مجموعہ "گریہ و تبسم" ادارہ کی طرف سے شائع ہوا۔ ۱۹۴۰ء میں ان کے نثری ڈراموں کا

ایک مجموعہ" کاغذ کی ناؤ" بھی ادارہ نے شائع کیا۔ انھوں نے اپنے کلام کا ایک اور مجموعہ بھی "نوبہ" کے نام سے شائع کیا تھا۔

میکش مرحوم نے ریڈیو اسٹیشن حیدرآباد میں ملازمت اختیار کر لی تھی لیکن یہ خدمت ان کے حوصلے کے مطابق نہ تھی۔ مرض دق کا لگاؤ پہلے ہی سے تھا۔ اسی مرض سے عنفوان شباب میں ۱۹۴۷ء میں انتقال کیا۔

محمد مظہر صاحب

محمد مظہر صاحب ۱۵ ر رمضان ۱۳۰۱ھ مطابق ۹ ر جون ۱۸۸۴ء کو محلہ رائی پیٹ مدراس میں پیدا ہوئے۔ مدراس، حرمین شریفین اور دوسرے مقامات میں تقریباً چار سال گذارے۔ بقیہ پوری عمر حیدرآباد ہی میں گذری، قرآن مجید، دینیات اور اردو کی ابتدائی تعلیم والدین سے حاصل کی پھر مدرسہ دارالعلوم میں شریک ہوئے۔ درمیان میں قرآن مجید حفظ کرنے کے لئے پانچ سال تک ترک تعلیم کرنی پڑی۔ اس کے بعد پھر مدرسہ دارالعلوم میں شریک ہوئے اور اکابر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ محکمہ معتمدی کوتوالی، عدالت و امور عامہ میں تقریباً پانچ سال کی امیدواری کے بعد ۳۰ روپے ماہوار کی ہنگامی جائداد ملی۔ جہاں سے ترقی کرتے کرتے وظیفہ تک ان کی تنخواہ چار سو روپے تک پہنچی۔ ملازمت کے آخری زمانہ میں مددگاری اور رجسٹراری کی خدمات بھی انجام دیں۔ محکمہ طبابت میں منتظمی کی خدمت ملی تو جامعہ عثمانیہ

کی میڈیکل فیکلٹی میں اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے اور ملکی خواتین کے لئے نرسنگ سروس کا دروازہ کھولنے اور سررشتہ طبابت یونانی کی تنظیم کرنے کا موقع ملا۔ مدت ملازمت ختم ہونے پر ان کی اچھی کارگذاری کے باعث انھیں ڈھائی سال کی توسیع دی گئی۔

منظر صاحب نے سرکاری اور قومی اداروں میں کام کرتے ہوئے ملک کی صحافت کو ترقی دینے میں بھی بڑا حصہ لیا۔ جوانی ہی میں "مخبر دکن" اور "جریدہ روزگار" میں علمی مضامین لکھنا شروع کئے۔ خصوصاً لارڈ مارلے منٹو ریفارمس پر جس جسارت کے ساتھ اداریے لکھے اس زمانہ کی سیاسی پابندیوں کو دیکھتے ہوئے بڑی بات معلوم ہوتی ہے۔ "صحیفہ" ماہانہ میں سیاسی اور تاریخی موضوعات پر مضامین لکھتے رہے۔ ذی حجہ ۱۳۰۰ ہجری سے روزنامہ صحیفہ جاری ہوا تو تین سال تک اداراتی مضامین لکھنے کی ذمہ داری منظر صاحب ہی کے سپرد رہی۔ مولوی اکبر علی صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد تقریباً چار سال تک اس اخبار کی ادارت کے فرائض بھی خوش اسلوبی سے ساتھ انجام دیے۔ اس کے بعد ڈھائی سال تک رسالہ روح ترقی کی ادارت کی۔ منظر صاحب کا ایک قابل قدر کام یہ بھی ہے کہ انھوں نے حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام میں حصہ لیا اور اس کے مختلف عہدوں پر انھیں کام کرنے کا موقع ملا۔

منظر صاحب کی تصنیفات وتالیفات حسب ذیل ہیں۔

۱) قلمرو آصفی کی دولت۔ نواب میر محبوب علی خان کی جوبلی کے وقت اس کی نمائش کمیٹی نے اعلان کیا تھا کہ حیدر آباد کی صنعت وحرفت، تجارت اور زراعت پر بہترین مضمون کو طلائی گھڑی انعام دی جائے گی۔ محمد مظہر کو ان کے بہترین مضمون پر یہ انعام ملا۔ اسی مضمون کو ضروری اضافوں کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے

۲) دارالعلوم کے سپوت۔ اس عنوان سے "سب رس" میں مضامین کا سلسلہ شائع ہوتا رہا۔ بعد کو کتابی صورت میں ۱۹۵۲ء میں ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوا۔

۳) سیرت مصطفوی۔ سوانح حیات حضرت سرور کائنات صلعم

۴) اخلاق رسالت پناہی۔ یہ کتاب بھی رسول کریم صلعم کی سیرت پر ہے

۵) مسائل دستور آصفی۔ یہ کتاب حیدر آباد کے دستور پر ہے۔

۶) تذکرۂ باب حکومت۔

۷) محمد عزیز مرزا معتمد عدالت (حیدر آباد) کا تذکرۂ زندگی مرتب ہو چکا ہے مگر شائع نہیں ہو سکا۔

۸) حیدر آباد کے اکابر کا تذکرہ بھی مرتب ہو چکا ہے مگر شائع نہیں ہو سکا ہے۔

۹) حیدر آباد کے دو سو سالہ نظم ونسق کی تفصیلی سرگذشت مرتب کی گئی ہے لیکن شائع نہیں ہوئی۔

۱۰) مظہر صاحب نے ایک مقالہ "تعلیمی زبان" پر بھی لکھا ہے۔
مظہر صاحب کے کئی مضامین ادارے کے ترجمان "سب رس" میں شائع ہوئے اور وہ شروع سے ادارہ کے معاون رہے ہیں۔

محمودہ صدیقی صاحبہ

محمودہ صدیقی صاحبہ محمد عثمان صاحب منصبدار کی صاحبزادی ہیں۔ اور فیض محمد صاحب مدرس مدرسہ دار العلوم (حیدرآباد) کی چچا زاد بہن اور سالی ہیں۔ جن کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ ۱۳۴۲ف میں شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم سٹی ہائی اسکول (اناث) میں ہوئی۔ وہیں سے میٹرک کامیاب کیا۔ ۱۳۵۵ف میں محمد رفیع الدین صاحب انسپکٹر بلدیہ سے ان کی شادی ہوئی۔ انھیں صرف ایک لڑکی ہے۔ ان کے مختلف مضامین مختلف رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔

ادارۂ ادبیات اردو نے ان کی کتاب "امور خانہ داری" ۱۹۴۱ء میں شائع کرکے انکو علمی دنیا سے روشناس کیا۔

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ

ایم ۔ اے ۔ پی ایچ ۔ ڈی (لندن)

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ حضرت حافظ سید غلام محمدؒ شاہ قادری رحمتہ اللہ علیہ کے بڑے فرزند ہیں ۔ ۲۸ رمضان ۱۳۲۳ھ کو محلہ شاہ گنج حیدرآباد میں پیدا ہوئے ۔ دارالعلوم کی درسگاہ میں فارسی اور عربی کی تعلیم پائی ۔ سٹی کالج میں انگریزی سیکھی ۔ جامعہ عثمانیہ سے ۱۹۲۵ء میں بی ۔ اے اور ۱۹۲۷ء میں ایم ۔ اے امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا ۔ اسی بناء پر ۱۹۲۷ء میں سرکاری وظیفہ سے اردو کی تعلیم کے لئے یورپ بھیجے گئے ۔ لندن یونیورسٹی میں آریائی زبانوں کی لسانی تحقیقاتی کام کے سلسلہ میں سنسکرت اور لسانیات کی تعلیم پروفیسر آر ۔ ایل ٹرنر سے اور صوتیات کی تعلیم پروفیسر اے ۔ لائیڈ جیمس سے دو اسکول آف اورنٹیل اسٹڈیز (لندن) میں پائی ۔ ۱۹۲۹ء میں دوبارہ یورپ تشریف لے گئے اور تجرباتی صوتیات کا تحقیقاتی

کام پیرس میں مکمل کیا جو وہیں انگریزی میں کتابی صورت میں شائع ہوگیا۔ پیرس کے قیام کے زمانے میں ہند آریائی لسانیات اور خصوصاً گجراتی اور پنجابی زبانوں کے درس سوربورن یونیورسٹی میں لئے۔ ہندوستان کی بحرائی شاخ پر ایک مقالہ لکھا جس کے بعض اجزا "ژورنل ایشیاٹک" پیرس میں شائع ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں وطن کو لوٹے اور جامعہ عثمانیہ میں اردو کی ریڈری پر ان کا تقرر ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کی شادی نواب رفعت یار جنگ بہادر کی صاحبزادی اور مولانا ابو الحسن انصاری فرنگی محلی (جو عبدالباری فرنگی محلی کے ماموں تھے) کی نواسی سے ہوئی۔ جن کے بطن سے اب پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔ انھوں نے اپنے بڑے فرزند سید تقی الدین قادری عرف عنایت پاشاہ کو رسمی طریقے سے اپنے والد بزرگوار کی مسند پر بٹھا دیا ہے۔ اور مسلم جنگ کے پل کے پاس (جہاں ان کے والد بزرگوار مدفون ہیں) کثیر صرفہ سے ایک شاندار درگاہ اور "خانقاہ عنایت الٰہی" کے نام سے ایک پختہ اور وسیع خانقاہ تعمیر کروائی ہے۔ یورپ سے واپسی کے بعد ہی جنوری ۱۹۳۱ء میں ادارۂ ادبیات اردو کی داغ بیل ڈالی اور اس کے لئے اپنے چار احباب عبدالقادر سروری صاحب، عبدالمجید صدیقی صاحب، عبدالغنی صدیقی مرحوم اور نصیر الدین ہاشمی صاحب کو تحیال بنا کر کام کا آغاز کیا۔ آج کل ڈاکٹر صاحب چادر گھاٹ کالج کے پرنسپل ہیں۔

ڈاکٹر زور صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز رسالہ ارتقاء،

اور مجلہ مکتبہ، سے ہوتا ہے۔ طلبائے جامعہ کا رسالہ "مجلہ عثمانیہ" انھیں کی مساعی سے جاری ہوا اور وہی اس رسالہ کے پہلے مدیر ہوئے اور جب تک پروفیسر رہے اس رسالہ کے حصۂ اردو کے نگران بھی رہے۔ طالب علمی کے زمانہ سے ہی ان کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ روح تنقید، ڈاکٹر زور صاحب کی پہلی تصنیف ہے جو ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی جب کہ مصنف بی اے میں تعلیم پا رہے تھے۔ اب تک ان کی جو تصنیفات اور تالیفات شائع ہو چکی ہیں حسب ذیل ہیں۔

۱) روح تنقید۔ فن تنقید کا جائزہ ہے اور اس فن پر اردو میں پہلی کتاب ہے۔

۲) تنقیدی مقالات۔ روح تنقید کے اصولوں کی روشنی میں اردو کے بہترین ادیبوں اور ان کے کارناموں پر تنقیدیں ہیں۔ اس کے اب تک تین اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۳) تین شاعر:۔ تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔

۴) اردو کے اسالیب بیان۔ مختلف انشا پردازوں کے اسالیب کی خصوصیات کا جائزہ ہے۔

۵) اردو شہ پارے:۔ اردو کے آغاز سے ولی اورنگ آبادی تک کے اردو ادب کے شہکاروں کے نمونے اور شاعروں اور ادیبوں

کے حالات کا مجموعہ ہے۔

۶) عہد عثمانی میں اردو کی ترقی۔ نواب میر عثمان علی خان
کے عہد میں اردو ادب کی ترقی کا جائزہ ہے۔

۷) محمود غزنوی کی بزم ادب۔ محمود غزنوی کے دربار کے
شاعروں اور ادیبوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔

۸) ہندوستانی صوتیات۔ اردو زبان کا صوتیاتی تجزیہ ہے
جس میں صوتی گردونوں کے نتائج کے تقریباً پچہتر فوٹو اور نقشے دیئے
گئے ہیں۔ یہ کتاب اردو زبان کی صوتیات پر پہلی اور اب تک آخری
کتاب ہے۔ انگریزی زبان میں لکھی گئی ہے۔

۹) ہندوستانی لسانیات۔ اردو زبان کا لسانیاتی جائزہ ہے
جس میں علم لسانیات، زبان کی ماہیت، ارتقا اور تشکیل پر مفید
معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

۱۰) فن انشا پردازی۔ مضمون نگاری اور انشا پردازی کے
فن پر لکھی گئی ہے۔

۱۱) طلسم تقدیر اور تازیانہ۔ زوال گولکنڈہ کے وقت کے
دو نیم تاریخی افسانے ہیں۔

۱۲) سیر گولکنڈہ۔ قطب شاہی سلاطین کی داستانیں افسانوی
انداز میں بیان کی گئی ہیں

۱۳) گولکنڈے کے ہیرے۔ سیر گولکنڈہ کا دوسرا حصہ ہے۔

۱۴) روح غالب - غالب کے بارے میں مستند معلومات اور غالب کے بہترین خطوط کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں غالب کے خاندان اور اعزہ واقارب کے شجرے پہلی دفعہ شائع ہوئے ہیں - یہ کتاب ادارۂ ادبیات اردو سے شائع ہوی ہے۔

۱۵) سرگذشت غالب :- غالب کی زندگی، کارناموں اور اعزہ واقارب کا ایک مجمل تذکرہ ہے - یہ کتاب ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوی ہے۔

۱۶) گلزار ابراہیم :- تذکرۂ گلشن ہند او ر تذکرہ گلزار ابراہیم کا مجموعہ ہے جو انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع ہوا ہے -

۱۷) مکتوبات شاد عظیم آبادی - شاد عظیم آبادی کے غیر مطبوعہ خطوط کا مجموعہ ہے۔ اس کے ساتھ مرتب کا مفید مقدمہ بھی ہے۔ یہ کتاب ادارۂ ادبیات اردو سے شائع ہوی ہے۔

۱۸) گارساں دی تاسی، فرانس کے مشہور محسن اردو کے حالات اور تصنیفات پر تبصرہ ہے۔

۱۹) متاع سخن، عزیز یار جنگ مرحوم کے کلام کا انتخاب ہے۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کا مفید مقدمہ ہے یہ انتخاب ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوا ہے -

۲۰) بادۂ سخن :- ڈاکٹر احمد حسین مائل کے کلام کا انتخاب ہے۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کا مفید مقدمہ ہے۔ یہ انتخاب ادارۂ ادبیات

اردو کی طرف سے شائع ہوا۔

(۲۱) کیفِ سخن :۔ رضی الدین حسن کیفی کے کلام کا انتخاب ڈاکٹر صاحب کے مقدمہ کے ساتھ ہے۔ ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوا۔

(۲۲) فیض۔ شمس الدین فیض کے کلام کا انتخاب ڈاکٹر صاحب کے مقدمہ کے ساتھ ہے۔ ادارۂ ادبیات اردو سے شائع ہوا۔

(۲۳) رمزِ سخن :۔ بہاری لال رمز کے کلام کا انتخاب ڈاکٹر صاحب کے مقدمہ کے ساتھ ہے۔ ادارہ ادبیات اردو سے شائع ہوا۔

(۲۴) ادبی تاثرات :۔ ڈاکٹر صاحب کے مضامین اور مقدمات کا مجموعہ ہے جس کو ان کے ایک شاگرد مرزا قدرت اللہ بیگ ایم۔ اے نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔

(۲۵) کلیاتِ محمد قلی قطب شاہ۔ محمد قلی قطب شاہ کے ضخیم دیوان کو بڑی محنت سے مرتب کر کے اس پر ایک بسیط مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ اس مقدمہ کو کلیات سے علحدہ "حیاتِ محمد قلی قطب شاہ" کے نام سے بھی شائع کیا ہے۔

(۲۶) حیاتِ میر مومن۔ قطب شاہی دربار کے جلیل القدر وزیر میر محمد مومن کے حالات ہیں۔ ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوئی

(۲۷) سرگذشتِ حاتم۔ شاہ ظہور الدین حاتم کے سوانح حیات، خصوصیاتِ کلام اور بعض متعلقہ مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوئی

۲۸) ارشاد نامہ :۔ شاہ برہان الدین جانم کی طویل مثنوی ارشاد نامہ کے کئی نسخوں کا مقابلہ کرکے ایک صحیح نسخہ مرتب کیا ہے۔ اور اس پر ایک مفید مقدمہ بھی لکھا ہے۔

۲۹) قصص خوب ترنگ۔ میاں خوب محمد چشتی گجراتی کی مثنوی خوب ترنگ کے دلچسپ قصوں کو فرانس کے قومی کتب خانہ کے قلمی نسخہ سے استفادہ کرکے مرتب کیا۔ اور فرانسیسی زبان میں ایک مقدمہ اور ترجمے کے ساتھ شائع کیا ہے۔

(۳۱) شاد و اقبال۔ مہاراجہ شاد اور علامہ اقبال کے خطوط کو مرتب کرکے ایک بسیط مقدمہ کے ساتھ ادارہ ادبیات اردو سے شائع کیا ہے۔

۳۱) تاج الحقائق۔ ملا وجہی کا دوسرا نثری قصہ ہے جس کو ڈاکٹر صاحب نے مرتب کیا ہے۔

۳۲) باغ و بہار :۔ میرامن کی "باغ و بہار" کا خلاصہ ہے جو طلبا کے لئے لکھا گیا ہے۔

۳۴) فرخندہ بنیاد (حیدرآباد) شہر حیدرآباد کی سماجی زندگی کا خاکہ ہے یہ کتاب ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوئی۔

۳۵) داستان ادب حیدرآباد۔ حیدرآباد کے تین سو سالہ اردو، فارسی اور عربی ادب و شاعری کا جائزہ ہے۔ یہ کتاب ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوئی۔

مخدوم محی الدین ایم اے (عثمانیہ)

مخدوم محی الدین ۱۹۰۸ء میں میدک (حیدرآباد) میں پیدا ہوئے۔ کم عمری ہی میں والد کا انتقال ہو گیا تو ان کے چچا مولوی بشیر الدین مرحوم نے انھیں اپنی کفالت میں لے لیا۔ ابتدائی تعلیم میدک ہائی اسکول میں پائی اور وہیں سے میٹرک کامیاب کیا۔ ان کے چچا نے اپنی عجز و معاشی اور کثیر العیالی کے باوجود انھیں اعلیٰ تعلیم دلانے کی ہمت کی۔ چنانچہ انھوں نے ۱۹۳۹ء میں ایم۔ اے کامیاب کیا۔ جامعی زندگی میں شاعر، مقرر اور اداکار کی حیثیت سے بہت ممتاز اور مقبول طالب علم رہے۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد دفتر دیوانی و مال و ملکی میں ایک معمولی جائداد پر ملازم ہوئے لیکن ان کی خودداری دفتری آداب کو برداشت نہ کر سکی تو استعفا دے دیا اور سٹی کالج ہائی اسکول میں مدرس کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ مگر وہ کسی قسم کی بھی نوکری کے لئے پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ سال

ڈیڑھ سال اسکول میں کام کرنے کے بعد یہاں بھی استعفا دے دیا اور کمیونسٹ پارٹی میں شریک ہو گئے۔ یہ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ کمیونسٹ دھڑا دھڑ گرفتار کئے جا رہے تھے۔ مخدوم کی بھی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا مگر وہ روپوش ہو گئے اور برسوں چھپے رہے۔ پولیس ایکشن کے بعد باہر آئے اور مقننہ کے انتخاب میں حیدرآباد اسمبلی اور ہند پارلیمان کی رکنیت کے لئے کھڑے ہوئے لیکن شکست کھائی۔ بعد میں ایک دوسرے حلقہ انتخاب سے اسمبلی کی رکنیت پر انتخاب ہوا۔ ۱۹۵۲ء میں روس اور بعض یورپی ممالک کا سفر کیا۔ آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگریس کی معتمدی کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں اس لئے آج کل دلی میں زیادہ رہنے لگے ہیں۔ تعلیم کے زمانے ہی میں ان کے چچا نے شادی کر دی تھی۔ دو لڑکیاں ہوئیں۔ ایک کا انتقال ہو گیا۔ اب صرف ایک لڑکی ہے۔

مخدوم نے طالبعلمی کے زمانہ میں بھی شاعر کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل کر لی تھی اور ابتدا ہی سے ان کی شاعری اشتراکی تصورات سے اثر پذیر ہو رہی تھی۔ ان کا شمار ان چند شعراء میں سے ہے جنھوں نے اردو شاعری کو ترقی پسند رجحانات سے روشناس کیا۔ لیکن جب سے سیاست میں عملی حصہ لینے لگے ان کا ذوق شعر گوئی کم ہو گیا۔ ان کے کلام کا ایک مختصر مجموعہ "سرخ سویرا" کے نام سے شائع ہوا ہے موصوف کی ایک کتاب "ٹیگور اور ان کی شاعری" ۱۹۴۵ء میں ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوئی۔

سید مراد علی طالع صاحب

سید مراد علی طالع صاحب ۲۳ رجولائی ۱۹۰۵ء کو محلہ سلطان شاہی حیدرآباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم سید وزیر علی عالی مرحوم نے ان کو ابتدائی اور مذہبی تعلیم گھر ہی پر دی۔ ۱۹۱۲ء میں ان کی والدہ کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد یہ مدرسہ دارالعلوم میں شریک ہوئے۔ جماعت ہفتم تک تعلیم پا سکے تھے کہ ۱۹۱۵ء میں ان کے والد کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا اور نتیجتہً ان کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد طرح طرح کی موانعات کے باوجود انھوں نے پھر مدرسہ میں شرکت کر لی اور جس طرح بھی بن پڑا مڈل اور منشی کے امتحانات امتیاز کے ساتھ کامیاب کئے۔ ان دونوں امتحانوں میں سررشتہ تعلیمات نے ان کو خصوصی انعامات دیئے۔ ان امتحانوں کے بعد آگے تعلیم پانا ان کے بس کی بات نہیں تھی اس لئے بادل نخواستہ

سررشتہ تعلیمات میں ملازمت اختیار کر لی۔ دوران ملازمت ہی میں منشی فاضل، اردو فاضل، ٹیچر س ٹریننگ سرٹیفکیٹ کے امتحانات پاس کئے۔ اسی محکمہ میں ستائیس سال ملازمت کرنے کے بعد ۱۹۵۲ء میں وظیفۂ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ موصوف کو علم و ادب اور ہیئت و نجوم کا موروثی ذوق ہے۔ ان کی پیشین گوئیاں ہر سال شائع ہوتی رہتی ہیں۔ علم نجوم سے متعلق ان کے لکھے ہوئے زائچے کتب خانہ آصفیہ اور کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو میں محفوظ ہیں۔

طالع صاحب کو ادارۂ ادبیات اردو کے ہر شعبے سے عموماً اور مجلس ادب اطفال سے خصوصاً گہری دلچسپی رہی ہے۔ انھوں نے اردو امتحانات کے سلسلہ میں اپنی طرف سے ادارہ کو ڈاکٹر زور مڈل کا پیش کش کیا۔ موصوف کی حسب ذیل کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

۱) تاریخ دکن کا ایک ورق موسوم بہ تاریخ بجکنڈہ۔
۲) نظام الملک آصف جاہ اول
۳) نظام علی خاں آصف جاہ ثانی
۴) سکندر جاہ آصف جاہ ثالث
۵) ناصر الدولہ آصف جاہ رابع
۶) افضل الدولہ آصف جاہ خامس

۷) محبوب علی خان آصف جاہ سادس
۸) مال والوں کے حالات کی تاریخ
۹) حضرت مشکل آسان ثانی۔

ان کتابوں میں سے پہلی اور نویں کتاب کے سوا باقی سات کتابیں ادارہ کی طرف سے شائع ہوئی ہیں اور بچوں کے لیے لکھی گئی ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ موصوف کی اور آٹھ کتابیں محتاج اشاعت ہیں۔

معین الدین قریشی مرحوم ایم اے (عثمانیہ)

معین الدین قریشی مرحوم جامعہ عثمانیہ کے اولین دور کے طلباء میں سے تھے۔ ۱۹۲۷ء میں ایم اے کامیاب کیا۔ انجمن اتحاد طلباء جامعہ عثمانیہ کے صدر منتخب ہوئے۔ ڈاکٹر زور صاحب کے ساتھی تھے اور انہی کے ساتھ "مجلہ عثمانیہ" کے مدیر بنائے گئے۔ ادب و تنقید کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ ادارہ ادبیات اردو کی تحریک پر عبدالقیوم خان باقی مرحوم کے اشتراک سے "مرقع سخن" کی تیسری جلد "شعرائے عثمانیہ" مرتب کی جو ۱۹۳۹ء میں ادارہ ادبیات اردو سے شائع ہوئی۔ انھوں نے ڈاکٹر سید عبداللطیف کی کتاب "غالب" کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ سررشتہ تعلیمات حیدرآباد میں ملازمت کی اور وظیفہ لینے سے قبل انتقال کیا۔

ڈاکٹر مہندر راج سکسینہ ایم۔ ایس سی (عثمانیہ)

پی ایچ۔ ڈی (لندن)

ڈاکٹر مہندر راج سکسینہ، رائے کشن لال آنجہانی کے صاحبزادے اور ڈاکٹر رگھونندن راج سکسینہ الہام کے چھوٹے بھائی ہیں جن کا تذکرہ پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ ڈاکٹر مہندر راج سکسینہ ۱۹۱۴ء میں شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں مدرسہ دارالعلوم سے میٹرک پاس کیا۔ ۱۹۳۵ء میں جامعہ عثمانیہ سے بی۔ ایس سی کامیاب کیا۔ ۱۹۳۷ء میں ایم۔ ایس سی کا امتحان دیا اور فرسٹ ان فرسٹ آئے۔ اس امتیاز کے صلہ میں یونیورسٹی نے انھیں گولڈ میڈل عطا کیا۔ اسی سال جامعہ عثمانیہ کے شعبہ نباتات میں لیکچراری پران کا تقرر ہوا۔ آٹھ سال کے بعد ۱۹۴۵ء میں ریڈر انچارج ہوئے۔ یورپ سے واپس ہونے کے بعد شعبہ نباتات جامعہ عثمانیہ ہی میں ریڈر کی حیثیت سے کارگذار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۳۹ء میں رائے شیوکرن جاگیردار کی صاحبزادی سے شادی کی۔

جن سے اب چار لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے ۔

ڈاکٹر زور صاحب اور ادارۂ ادبیات اردو سے ڈاکٹر سکینہ اور ان کے عزیز و اقارب کے گہرے روابط رہے ہیں۔ موصوف نے ۱۹۴۶ء میں رسالہ سب رس کی ادارت کے فرائض انجام دیئے۔ اردو انسائیکلو پیڈیا کے لئے مضامین لکھے ۔ ان کی ایک کتاب "چیونٹی" ۱۹۴۱ء میں ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوئی ۔ ڈاکٹر صاحب نے حیدرآباد کے نباتات پر متعدد ریسرچ پیپر شائع کئے ہیں

ابوظفر مؤیدالدین حسن صاحب

ابوظفر مؤیدالدین حسن صاحب، ظہیرالدین حسن مرحوم کے فرزند ہیں جو کرناٹک کے ایک ممتاز اور علم دوست خاندان کے رکن تھے۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد موصوف نے کورٹ آف وارڈ حیدرآباد کے تحت مختلف سمستانوں میں تحصیلدار، دوم تعلقدار، اور اول تعلقدار کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور وظیفہ حسن خدمت پر علیحدہ ہوئے۔ ان کو ہمیشہ سے تعلیمی اور رفاہی کاموں سے دلچسپی رہی ہے چنانچہ وہ اب تک ایسی اکثر انجمنوں کے رکن ہیں۔ حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے ابتداء ہی سے پرجوش کارکن رہے ہیں۔ موصوف کو اردو زبان اور اردو ادب کا اچھا مذاق رہا ہے۔

چنانچہ انھوں نے اب تک متعدد کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں۔ دو پیکر (تذکیر و تانیث) یہ ایک علمی اور مفید کتاب ہے۔ ادارۂ ادبیات اردو سے ان کا ایک سماجی اور اصلاحی ناول "عاصمہ" شائع ہوا ہے۔ جس میں انھوں نے دیوڑھی کی ایک کنیز کی زندگی کا خاکہ پیش کیا ہے۔

میر حسن ایم۔ اے

میر حسن صاحب مولوی سید علی صاحب کے فرزند ہیں۔ ۱۹۱۰ء میں شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ جامعہ عثمانیہ سے ایم۔ اے کیا۔ طالب علمی کے زمانہ میں اپنی ذہانت اور ادبی صلاحیتوں کی وجہ سے کالج میں بہت ممتاز اور مقبول طالب علم رہے۔ انجمن اتحاد طلبا کے صدر منتخب ہوئے۔ مجلہ عثمانیہ کے مدیر اور مہتمم مدیر کے فرائض انجام دیئے۔ اس کے علاوہ وہ بزم اردو کے معتمد بھی رہے یہ وہ اعزازات ہیں جو جامعہ عثمانیہ میں چند ہی طلبا کو میسر آتے ہیں۔ ڈاکٹر زور صاحب کی تحریک پر انھوں نے "ورڈز ورتھ اور اس کی شاعری" پر ایک کتاب لکھی جس کے بارے میں ہندوستان کے موقر اخبار ورسائل نے بہت حوصلہ افزا رائیں دیں۔ انھوں نے ایم اے میں مغربی تصانیف کے اردو تراجم پر مقالہ لکھا جو شائع ہو گیا ہے۔ جامعہ کی زندگی سے علحدہ ہونے کے بعد بھی انھوں نے

علمی دنیا سے اپنا قریبی ربط رکھا۔ اور یہ اتفاق ہے کہ ان کے لئے ایسے مواقع بھی پیدا ہوئے۔ چنانچہ سٹی کالج اور نظام کالج میں معلم اردو کی خدمات انجام دینے کے بعد محکمہ لاسلکی نشرگاہ (حیدرآباد) میں ان کا تقرر ہوا۔ اور وہ ٹاکس سپرنٹنڈنٹ۔ اسسٹنٹ اسٹیشن ڈائرکٹر اور پروگرام ڈائرکٹر کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ اس دوران میں کچھ عرصے کے لئے اورنگ آباد ریڈیو اسٹیشن کے اسٹیشن ڈائرکٹر بھی رہے۔ ان سرکاری فرائض سے ہٹ کر خانگی حیثیت میں انھوں نے عرصہ تک ادارے کے ایک شعبہ مجلس ادب اطفال کی معتمدی کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ادارۂ ادبیات اردو نے ان کی ادبی خدمات کے پیش نظر انھیں اپنا رفیق بنایا۔ میر صاحب نے مجلہ طیلسانین کی ادارت کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔

"ورڈز ورتھ اور اس کی شاعری" اور "مغربی تصانیف کے اردو تراجم" کے علاوہ مخدوم محی الدین صاحب کے ساتھ مل کر ایک ڈرامہ "ہوش کے ناخن" لکھا جو اسٹیج بھی کیا گیا۔ ان کی ایک اور کتاب سائنسی معلومات پر "سائنسی کرشمے" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ میر صاحب کے مختلف مضامین مقالے افسانے اور ڈرامے جامعہ (دہلی) نگار (لکھنو) مجلہ عثمانیہ، مجلہ طیلسانین اور "سب رس" وغیرہ میں شائع ہوتے رہے ہیں پچھلے دو سال سے اردو میں انگریزی ادب کی تاریخ اور فن سوانح نگاری کی تاریخ

لکھنے میں مصروف ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے میر خاں کی ۲۵۰ صفحوں کی انگریزی کتاب "فیڈرل فینانس" کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ان کی جملہ کتابیں ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوئیں اور در اصل انہی کی کتاب سے اس ادارے کے سلسلۂ مطبوعات کا آغاز ہوا۔

نصیرالدین ہاشمی صاحب

نصیرالدین ہاشمی صاحب مولوی عبدالقادر مرحوم سابق رجسٹرار کے فرزند ہیں جن کا تعلق مدراس کے ایک مشہور علم دوست خاندان سے تھا۔ ہاشمی صاحب نے مدرسہ دارالعلوم میں تعلیم پائی اور منشی فاضل کی سند حاصل کی۔ دفتر دیوانی و مال و ملکی حیدرآباد میں ملازم ہوئے۔ طالبعلمی کے زمانہ سے ہی مضمون نگاری کا شوق تھا۔ ۱۹۲۵ء میں "دکن میں اردو" مرتب کر کے شائع کی۔ اسی کی بنا پر سراین جنگ کی کوشش سے یورپ کے مختلف کتب خانوں میں جو دکنی مخطوطات ہیں ان کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا گیا۔ اس سفر میں جن مخطوطات کا مطالعہ کیا ان پر "یورپ میں دکنی مخطوطات" کے نام سے ایک کتاب مرتب اور شائع کی۔ دفتر دیوانی میں ایک عرصہ تک کام کرنے کے بعد دفتر رجسٹریشن میں منتقل ہوئے اور وہیں سے وظیفہ حسن خدمت پر علحدہ

ہوے۔ اب حکومت حیدرآباد کی طرف سے تاریخ آزادی ہند مرتب کرنے کے لئے مامور کئے گئے ہیں۔ موصوف ادارۂ ادبیات اردو کے موسسین میں سے ہیں اور ہمیشہ ادارہ کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے رہے ہیں۔ ان کی دوسری کتابیں حسب ذیل ہیں۔

۱) خواتین عہد عثمانی۔ یہ حیدرآباد کی خواتین کی علمی اور سماجی مصروفیتوں کا جائزہ ہے۔

۲) خواتین دکن۔ یہ حیدرآباد کی خواتین کا تذکرہ ہے

۳) مدراس میں اردو۔ یہ کتاب ۱۹۳۸ء میں ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوی۔

۴) حیات بخشی بیگم۔ یہ کتاب ۱۹۵۴ء میں ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوی۔

وزیر حسن صاحب

وزیر حسن صاحب، نذیر احمد کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ولی وطن تھا لیکن حیدرآباد آکر یہیں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ جامعہ عثمانیہ میں ابتدائی تعلیم پائی لیکن حالات کی ناسازگاری کے باعث ان کی تعلیم نامکمل رہی۔ تاہم جامعہ عثمانیہ سے اپنی نسبت پر فخر کرتے تھے۔ محکمہ معتمدی تعلیمات حیدرآباد میں ملازمت کی اور وظیفہ حسن خدمت پر علیحدہ ہوئے لیکن کبھی فکر معیشت سے فارغ نہیں رہے۔ موصوف کو انشاپردازی کا خاص ذوق ہے مضامین اور افسانے لکھتے ہیں۔ انکی اکثر ادبی تخلیقات رسالہ سب رس، میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ حافظہ بہت قوی ہے۔ اپنے اکثر افسانے اس طرح زبانی سناتے ہیں جیسے کوئی شاعر اپنا کلام سناتا ہے ان کے لکھنے کا ایک خاص اسلوب ہے آج کل پونا میں مقیم ہیں۔ ان کی حسب ذیل دو کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

۱) چاند بی بی سلطان۔

یہ کتاب بہ یک وقت تاریخ بھی ہے اور افسانہ بھی، اسی لئے بہت مقبول ہوئی۔

۲) رادھا اور رنگ محل۔

ان کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے جس کو ادارہ ادبیات اردو نے ۱۹۴۹ء میں شائع کیا۔

پروفیسر حاجی ہارون خاں شروانی

بی۔اے(آنرز)

پروفیسر حاجی ہارون خان شروانی صاحب، حاجی موسیٰ خاں (متوفی ۱۹۴۴ء) کے بڑے فرزند ہیں۔ ۳۰/مارچ ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ گھر پر اردو۔ فارسی اور مذہبی تعلیم پانے کے بعد ۱۸۹۹ء میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی ابتدائی جماعت میں داخل ہوئے ۱۹۰۶ء میں انٹرنس پاس کرلیا۔ اور اپنے والد کے ساتھ اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۹۰۷ء میں انگلستان گئے۔ لندن کے ایک اسکول میں یک ہوئے پھر کیمبرج یونیورسٹی کے گراڈیٹ کالج میں شرکت کی۔ یہاں مسلم ایسوسی ایشن کی بنا ڈالی اور اس کے پہلے سکرٹری ہوئے۔ ۱۹۰۸ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں منتقل ہوگئے اور یہاں بھی اسلامک سوسائٹی کی بنا ڈالی اور اس کے پہلے سکرٹری بنائے گئے۔ اس دوران میں بلجیم کی سیر کر آئے۔ ۱۹۱۱ء میں جرمنی گئے اور وہاں جرمن زبان سیکھی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے ہندوستانی کلب

کے صدر رہے۔ اسی یونیورسٹی سے بی۔ اے آنرز پاس کیا۔ ۱۹۱۴ء
میں لندن کی انڈین ایسوسی ایشن کے صدر منتخب ہوئے۔ اسی سال
بیرسٹری کے کورس کی تکمیل کی۔ اور جرمنی، آسٹریلیا اور اٹلی کی سیاحت
کرتے ہوئے وطن کو لوٹے۔ کچھ دنوں تک بیرسٹری کی اور اخباروں
میں مضامین لکھتے رہے۔ ۱۹۱۷ء میں لکھنؤ میں ہوا وشل کانفرنس کے
اجلاس میں شریک ہوئے اور صوبہ کی سیاسی اور صنعتی کانفرنس
کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔

جولائی ۱۹۱۹ء میں عثمانیہ کالج حیدرآباد دکن میں تاریخ
کے مددگار پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں ان کی شادی حاجی
یونس خاں مرحوم کی صاحبزادی انیسہ خاتون سے ہوئی ہے۔ ۱۹۲۱ء
میں مددگار پروفیسر سے پروفیسر ہو گئے۔ ۱۹۲۶ء میں حج بیت اللہ
شریف اور زیارت مدینہ طیبہ سے مشرف ہوئے۔ ۱۹۲۹ء میں
شعبہ تاریخ کی صدارت ملی۔ ۱۹۳۰ء میں فرانسیسی زبان سے
"فرانس، پیڈمانٹ اور سوئٹزرلینڈ پر مسلمانوں کے حملے" کا انگریزی
میں ترجمہ کیا۔ اس زمانہ میں لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی
اور رائل سوسائٹی آف آرٹس نے اپنا ممبر بنایا۔ ۱۹۳۵ء میں
ایڈولف ہومس کی تاریخ یونان کا چار جلدوں میں اردو
میں ترجمہ کیا۔ اسی سال 'مختصر تاریخ دکن' اردو میں شائع
کی جو ریاست حیدرآباد کے مدارس کے نصاب میں شامل کر لی گئی۔

۱۹۳۶ء میں علی گڑھ میں ہندوستان کی جامعات کے بورڈ کے جلسہ میں جامعہ عثمانیہ کی نمائندگی کی۔ اور درسی کتب فارسی کے انتخاب کی کمیٹی کے ممبر مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں ہندوستان کی طرف سے تاریخ کی بین الاقوامی کانفرنس میں (جو زیورچ سوئٹزرلینڈ میں منعقد ہوئی) نمائندگی کی۔ اور اس میں غیر یورپین ملکوں کی تاریخ کے شعبہ کے صدر بنائے گئے۔ اسی سفر کے سلسلہ میں اٹلی، یونان، ترکی، بلغاریہ، یوگوسلاویہ، فرانس، انگلستان، اور سوئٹزرلینڈ کی سیاحت کر آئے۔ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان کے مجلہ "پولیٹیکل سائنس" اور تاریخ ہند کے ایڈیٹوریل بورڈ کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں "تاریخ محمود گاواں" انگریزی میں شائع کی۔ اسی سال ہندوستان کے ہسٹاریکل ریکارڈس کمیشن نے اپنی تحقیقاتی اور اشاعتی کمیٹی کا ممبر منتخب کیا۔ ۱۹۴۲ء میں موصوف نے اپنی نشری تقریروں کا مجموعہ "نشریات" کے نام سے شائع کیا۔ اسی سال ہندوستان کے انٹر یونیورسٹی بورڈ کے سکریٹری مقرر کئے گئے۔ ۱۹۴۳ء میں ان کی کتاب "مسلمانوں کے سیاسی خیالات اور تنظیم و نسق" شائع ہوئی۔ اور موصوف علی گڑھ کی تاریخی کانگریس میں مغلیہ عہد کے قبل کی تاریخ کی شاخ کے صدر بنائے گئے۔ ۱۹۴۵ء میں سنٹرل اڈوائیزری بورڈ آرکیالوجی کا ممبر بنایا گیا۔ اور دکن ہسٹری کانگریس میں ازمنہ وسطیٰ کی شاخ کے صدر بنائے گئے۔ ۱۹۴۵-۴۶ء میں نظام کالج

حیدرآباد (دکن) کے پرنسپل کی حیثیت سے کام کیا۔

وظیفہ پر علیحدگی کے بعد پروفیسر شیروانی نے عربک کالج دہلی کی پرنسپلی کا عہدہ سنبھالا اور وہاں کی لودی روڈ کی مسلم جماعت کے صدر منتخب ہوئے۔ ہندوستان کی پولیٹیکل سائنس ایسوسی ایشن کے وائس پریسیڈنٹ اور بین الاقوامی معاملات کے متعلق انڈین انسٹی ٹیوٹ کی کونسل کے ممبر بنائے گئے پھر ایک مرتبہ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ اسی زمانہ میں عہد بہمنی کی تاریخ "سلطنت بہمنی" کے نام سے شائع کی۔ ۱۹۴۷ء میں عربک کالج دہلی کی پرنسپلی کے عہدے سے مستعفی ہوگئے۔ ۱۹۴۸ء میں حکومت ہند نے دستور کا ترجمہ کرنے والی کمیٹی کا ممبر مقرر کیا۔ اسی سال جامعہ عثمانیہ میں شعبہ سیاسیات کی صدارت پر ان کا دوبارہ تقرر ہوا۔ ۱۹۵۱ء میں اسلامک کلچر بورڈ کے نائب صدر مقرر ہوئے۔ اور اسی سال جامعہ عثمانیہ کی ملازمت سے دوبارہ سبکدوش ہوئے۔ وظیفہ پر علیحدگی کے بعد کل ہند پولیٹیکل سائنس ایسوسی ایشن کے صدر منتخب ہوئے۔ ادارہ ادبیات اردو کے شعبہ تاریخ کے رکن رکین ہیں اور اس کے رسالہ سب رس میں ان کے تاریخی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ادارہ کے لئے کتابیں بھی لکھی ہیں۔ موصوف کی تصنیف وتالیف کا کام اب بھی جاری ہے۔

پروفیسر شیروانی صاحب کی جملہ تصنیفات و تالیفات
اور تراجم کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱) تاریخ یونان قدیم مولفہ اڈولف ہولم۔ چار جلد۔ انگریزی
سے اردو ترجمہ۔ ناشر سررشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ۔

۲) مبادئ سیاسیات۔ ناشر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔ دوسری
اشاعت ۱۹۴۱ء

۳) مختصر تاریخ دکن۔ ناشر سررشتہ تعلیمات حیدرآباد (دکن)
نویں اشاعت ۱۹۵۰ء

۴) محمود گاوان (انگریزی) ناشر کتابستان الہ آباد ۱۹۴۲ء

۵) نشریات۔ ناشر عبدالقادر اینڈ سنز۔ حیدرآباد دکن ۱۹۴۴ء

۶) یورپ جنگ سے پہلے ــ ناشر ادارۂ ادبیات
اردو ۱۹۴۳ء

۷) دولت بہمنیہ (انگریزی)۔ ناشر انڈین نیشنل
انفرمیشن اینڈ پبلی کیشنز بمبئی ۱۹۴۷ء

۸) مسلمانوں کے ابتدائی سیاسی نظریوں کا مطالعہ
(انگریزی) ناشر شیخ محمد اشرف لاہور۔ دوسری
اشاعت ۱۹۴۵ء

۹) ہندوستان میں ترقی پذیر سیاسی تخیل کی تاریخ کا ایک
باب (انگریزی) خطبہ صدارت ۱۹۵۲ء

۱۰) دکن کا بہمنی خاندان (انگریزی) ناشر مہتمم تصنیفات
حمایت نگر حیدر آباد (دکن) ۱۹۵۳ء

۱۱) سیاسیات کے اصول، حصہ اول، ناشر انجمن ترقی
اردو (ہند) علی گڑھ ۱۹۴۵ء

۱۲) سیاسیات کے اصول، حصہ دوم۔ ناشر انجمن ترقی
اردو (ہند) علی گڑھ ۱۹۵۴ء

۱۳) فرانس، سوئستان اور شمالی اٹلی میں مسلمانوں کی نوآبادیات۔
فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ۔ ناشر اورینٹلیا (لاہور)